قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۴ شمارہ: ۴
ربیع الثانی: ۱۴۴۲ھ - دسمبر: ۲۰۲۰ء
قیمت فی شمارہ: ۴۰ روپے ، زرِ سالانہ: ۵۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ : 40 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 30 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 34919531-21-92 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع**: ایجوکیشنل پریس **طابع**: فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

فرانس کے صدر کی اسلام دشمنی	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
جامعہ زبیریہ پشاور کے طلبہ کی شہادت	۱۰	

مقالات ومضامین

مکتوب حضرت بنوریؒ بنام شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ	۱۱	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
محبتِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے.....اور ہماری غفلت	۱۴	مولانا عبدالقوی ذکی حسامی
شہیدِ کربلا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما.....فضائل واحوال	۱۷	مولانا عبدالصمد ساجد
علمِ اسناد کا تعارف اور اس کی حقیقت!	۲۵	مولانا محمد اکمل جمال ژوبی
''صحیح بخاری'' کے ''تراجمِ ابواب'' سے متعلق چند اُصول (قسط:۳)	۳۵	مولانا محمد یاسر عبداللہ
تقریظ، تنقید اور تبصرہ نگاری پر ایک نظر (قسط:۱)	۴۳	مولانا محمد جمیل احمد

یادِ رفتگان

الحاج حافظ فیروز الدین رحمۃ اللہ علیہ	۴۹	محمد اعجاز مصطفیٰ
عزم وہمت کی منفرد مثال (مولانا ڈاکٹر عادل خان شہیدؒ)	۵۳	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

دار الافتاء

مروجہ غیر سودی بینک سے قسطوں پر کار لینا	۵۹	ادارہ

نقد ونظر

	۶۱	ادارہ

فرانس کے صدر کی اسلام دشمنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

اسلام کا ہر پیرو کار سراپا سلامتی اور امن وامان کا علمبردار ہے۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام قابلِ احترام اور لائقِ تعظیم ہیں۔ ہر مسلمان کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت اسلام کا جزو ہے، ان کی فرمانبرداری اور اطاعت تکمیلِ ایمان کا سبب ہے اور ان سے وفاداری وشیفتگی اسلام کی اَساس اور اہلِ اسلام کی شناخت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

۱:- ’’قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ.‘‘ (التوبہ:۲۴)

ترجمہ: ’’تو کہہ دے! اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔‘‘

۲:- ’’اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهٗٓ أُمَّهٰتُهُمْ.‘‘ (الاحزاب:۶)

ترجمہ:''نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے۔''

۳:-''إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا.'' (الاحزاب:۵۷)

ترجمہ:''جولوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں، اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔''

۴:-''إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ.'' (المجادلۃ:۲۰،۲۱)

ترجمہ:''جولوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا، اور اس کے رسول کا، وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول۔''

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱:-''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، الفصل الاول، ص:۱۲، ط: قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ:''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

۲:-''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۶۱۶۹)

ترجمہ:''آدمی (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔''

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ کے ان ارشادات کی بنا پر ہر مسلمان حضور اکرم ﷺ سے محبت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے، اس لیے اپنی جان، مال، عزت وآبرو سب کچھ حضور ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت پر قربان کرنے کو اپنی سعادت اور کامیابی سمجھتا ہے۔

حکومتِ فرانس کی جانب سے نبی کریم خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے گستاخانہ خاکے بنانے کی حمایت اور اس کو اظہارِ رائے کی آزادی قرار دینا بہت ہی افسوسناک اور غمناک ہے، جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں تشویش اور اضطراب کا باعث ہے۔

آزادیِ اظہار کا بے محابہ اور غیر محدود استعمال نہ صرف انسانی واخلاقی اقدار کے خلاف ہے، بلکہ اس سے امن وامان کی صورت حال کو بھی سنگین خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں مغرب اور پوری دنیا کا رویہ یکسر منافقانہ اور دوہرے معیار پر مبنی ہے، آئے دن میڈیا میں اسلام اور پیغمبرِ

اسلام (ﷺ) کے بارہ میں قابلِ اعتراض اور نفرت آمیز مواد شائع ہوتا رہتا ہے اور آزادیِ اظہارِ رائے کی آڑ میں اس کی حمایت کی جاتی ہے، جس کی تازہ مثال گزشتہ ہفتے فرانس کے ایک میگزین چارلی ہبڈو نے حضور اکرم ﷺ کے کچھ اور توہین آمیز خاکے بنائے، اس کو پورے فرانس میں عام کیا گیا اور پھیلایا گیا۔ فرانس کے شہر پیرس کے مضافاتی علاقے کے ایک مڈل اسکول کے ایک استاذ نے یہ خاکے آٹھویں جماعت کے معصوم اور خالی الذہن طلبہ کو دکھائے۔ مسلمان طلبہ مشتعل ہوگئے، انہوں نے اپنے گھر والوں کو یہ بات بتائی۔ فرانس کے مسلم باشندوں نے اسکول انتظامیہ کو اس کی شکایت کی، تھانے میں بھی کچھ مسلمان والدین نے درخواست دی۔ اسکول انتظامیہ اور تھانہ والوں نے کہا کہ یہ خاکے دکھانا نہ تو ملکی قوانین کی خلاف ورزی ہے اور نہ اسکول کے نظم اور ضابطے کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ۲۳ اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ کو ایک اٹھارہ سالہ مسلم شیشانی عبداللہ اندروفؒ نامی طالب علم نے ردِعمل میں اسکول کی چھٹی کے بعد اس سیموئیل پیٹی نامی ٹیچر کو۔ جس نے یہ توہین آمیز خاکے کلاس میں دکھائے۔ قتل کر دیا اور پولیس نے اس طالب علم کو بھی گولی مار کر شہید کر دیا۔

اس واقعہ پر فرانس کے صدر میکرون اور اسلام مخالف عناصر آپے سے باہر ہوگئے، فرانس کے صدر نے ایک ریلی کی قیادت کی، جس میں اس ملعون ٹیچر کو قومی ہیرو قرار دیتے ہوئے اسے قومی ایوارڈ سے نوازنے کا اعلان کیا اور گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو آزادیِ اظہارِ رائے قرار دیتے ہوئے کہا کہ: ''ہم خاکے بنانا نہیں چھوڑیں گے اور اب ان خاکوں کو عوامی مقامات پر لگایا جائے گا۔'' چنانچہ اس کے بعد تمام سرکاری عمارتوں کے علاوہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں ان محلوں میں بطورِ خاص یہ خاکے لٹکائے گئے۔

یہ کتنا افسوس کی بات ہے کہ فرانس کے صدر نے اس ملک کے ساٹھ لاکھ باشندوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گستاخی کرنے والے اخبار کی بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ حمایت کی، بلکہ سرکاری عمارتوں پر ان گستاخانہ خاکوں کے بڑے بڑے بینر آویزاں کیے۔ اس سے مسلمانوں میں غیظ و غضب اور اشتعال پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، اس کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان فرانس کے صدر کے اس اقدام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اور ان کی مصنوعات کا بھرپور انداز میں بائیکاٹ کر رہے ہیں۔

دانشور حضرات کا کہنا یہ ہے کہ فرانس نے ایک عرصہ سے جو مذہب بیزاری کا علم بلند کیا ہوا ہے اور اس نے آسمانی تعلیمات کو ہر جگہ سوسائٹی کے اجتماعی اور معاشرتی معاملات سے نکالنے کے لیے بہت سے مذاہب کو اپنا ہمنوا بنالیا ہے، ایک مسلمان ہی ایسے ہیں جو ابھی تک فرانس سمیت ہر جگہ اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ میں جڑے ہوئے ہیں، اس کو وہ اپنی اقدار، اپنے

فلسفہ، اپنے کلچر اور اپنی تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لیے وہ پردہ، اذان اور اسلامی تعلیمات پر پابندی لگاکر مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جان سے زیادہ عزیز اور پیارے نبی ﷺ کی توہین کرکے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح اور زخمی کرتے رہتے ہیں۔ فرانس کے صدر کی اس ناپاک جسارت اور ملعون حرکت پر سب سے مؤثر اور پرزور ردِعمل ترکی کے صدر جناب طیب اردوان نے اپنی ایک نشری تقریر میں دیا، انہوں نے کہا:

''ترک عوام فرانسیسی مصنوعات کا اسی طرح بائیکاٹ کریں، جیسے قطر اور کویت کی سپر مارکیٹوں میں کیا جارہا ہے، فرانس میں جس شخص کے پاس حکمرانی ہے، وہ اپنے راستے سے ہٹ گیا ہے، وہ ایک مریض ہے اور اسے واقعی دماغ کے علاج کی ضرورت ہے۔ انہوں نے فرانسیسی صدر کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فاشزم کو ہم نے جرمنی اور اٹلی میں دیکھا ہے، ہم نازی ازم دیکھ چکے ہیں، تم بالکل اسی راستے پر ہو، جس پر وہ تھے۔ ہماری کتاب قرآن کریم نہ ہمیں فاشزم سکھاتی ہے اور نہ ہی نازی ازم۔ ہماری کتاب قرآن ہمیں سماجی انصاف سکھاتی ہے اور ہم اسی کی ہدایت کے مطابق سماجی انصاف کے راستے پر چلتے ہیں۔''

اور یہ خبر بھی سوشل میڈیا پر چل رہی ہے کہ فرانس کے صدر نے ایک تقریب میں ترکی کے صدر کو ہاتھ ملانے کی کوشش کی تو اس پر ترکی کے صدر نے کہا کہ:

''اس سے کہو کہ میں تمہیں ہاتھ نہیں ملاسکتا، اس لیے کہ کل میں اپنے آقا، شافع روزِ جزا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟۔''

حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے کوئٹہ میں پی ڈی ایم کے بہت بڑے عوامی جلسہ میں فرانس کے صدر کی گستاخانہ حرکتوں کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا: ''ہم ایسے حکمرانوں کے چہرے پر تھوکتے ہیں۔''

اس کے علاوہ ہماری حکومت نے بھی فرانس کے صدر کے اس اقدام کے خلاف قومی اسمبلی اور سینیٹ میں مذمتی قراردادیں منظور کیں۔ پوری پاکستانی قوم خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہبی جماعت سے ہو یا سیاسی جماعت سے یا تجارتی برادری سے سب نے پورے ملک میں مظاہرے کیے، ریلیاں نکالیں، اور ان کا مطالبہ ہے کہ فرانس کی تمام مصنوعات کا اس وقت تک بائیکاٹ کیا جائے جب تک فرانس کا صدر اُمتِ مسلمہ سے معافی نہ مانگ لے اور ساتھ ساتھ ان کا مطالبہ ہے کہ فرانس کے سفیر کو ملک بدر کیا جائے اور پاکستانی سفیر کو احتجاجاً فرانس سے واپس بلایا جائے۔

مغربی ممالک میں سے صرف کینیڈا کے وزیراعظم جسٹن ٹروڈو نے مغربی ممالک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: ''ہم آزادیِ اظہار پر کوئی کمپرومائز نہیں کرتے، لیکن آزادیِ اظہار کی بھی حدود وقیود ہیں۔''

اس نے اپنی سوسائٹی کے اعتبار سے مثال دیتے ہوئے کہا کہ: ’’آپ کو سینما میں چلتی فلم کے دوران اپنی رائے کے پرزور اظہار کی آزادی حاصل نہیں ہوتی، تاکہ وہاں فلم دیکھنے آئے ہوئے دیگر لوگ ڈسٹرب نہ ہوں، کجا یہ کہ آپ ایسے معاملات میں یہ حق استعمال کریں جو دیگر قوموں کے لیے حساس ہو۔‘‘

ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ مغرب نے اظہارِ خیال کی آزادی کا ایک خودساختہ پیمانہ بنایا ہوا ہے، اس لیے کہ اگر کوئی شخص یہودیوں کے ہولوکاسٹ کا انکار کرے یا اس موضوع پر اپنی تحقیق پیش کرے تو وہ مجرم ہے۔ اگر کوئی نائن الیون کو فرضی کہانی قرار دے تو وہ سزا کا مستحق ہے۔ اگر کوئی نازی جرمنی میں رہتا ہے تو نازی پارٹی پر تنقید نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی سوویت یونین میں رہتا ہے تو وہ کمیونسٹوں کے خلاف نہیں بول سکتا۔ اگر کوئی چین میں رہتا ہے تو وہ چینی کیمونسٹ پارٹی پر تنقید نہیں کرسکتا۔ اسی طرح شمالی کوریا میں کوئی رہتا ہے تو کم آل جونگ کی بات کرنا مصیبت کو دعوت دینا ہے۔ اگر کوئی کیوبا میں رہتا ہے تو وہ کیوبا کی کیمونسٹ پارٹی پر تنقید نہیں کرسکتا، حتیٰ کہ امریکہ میں رہ کر کوئی یہودی لابی کے خلاف بات نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ وہ ہیں جو آزادیِ اظہارِ رائے کو کنٹرول کرتے ہیں۔

جب ترکی کے صدر جناب طیب اردوان نے فرانس کے صدر کی اس حرکت پر اس کو اپنے دماغ کا علاج کرانے کا مخلصانہ اور دانشمندانہ مشورہ دیا تو اس کو بہت صدمہ پہنچا کہ اس کی اہانت کی گئی ہے۔ یہاں اس کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ اس کی بدتمیزی سے دنیا میں کتنے انسانوں کا دل زخمی ہوا؟ یہاں اظہارِ رائے کی آزادی کا کیوں کوئی احترام نہیں؟ اسی طرح امریکہ کی ستائیس ریاستوں میں اسرائیل کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے والی کمپنیوں، افراد یا اداروں کے خلاف سزا کا قانون کیوں موجود ہے؟ یہ کونسی اظہارِ رائے کی آزادی کا مظہر ہے، جس کے مطابق ان ریاستوں میں اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے پر سزا دی جاتی ہے؟ جبکہ خود یورپی عدالت برائے انسانی حقوق 2018ء میں یہ فیصلہ دے چکی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کو معاذ اللہ بدنام کرنے کی کوشش کرنا ’’Goes beyond the permissible limits of an objective debate‘‘ (معروضی بحث کی اجازت کی حد سے باہر ہے) یہ فیصلہ اس وقت سامنے آیا جب آسٹریا کی ایک عورت کو اس کی سزا سنائی گئی، اس عورت نے سزا کے خلاف یہ کہہ کر اپیل کی تھی کہ وہ یورپی کنونشن برائے انسانی حقوق کی شق 10 - جو آزادیِ اظہار سے متعلق ہے- کے تحت اپنے خیالات کے اظہار میں آزاد ہے، مگر یورپی یونین کی سات رکنی عدالت نے اس عورت کا موقف مسترد کرتے ہوئے فیصلے میں لکھا کہ:

"That by considering the impugned statements as going beyond the permissible limits of an objective

debate and classifying them as an abusive attack on the prophet of islam, which could stir up predjudice and put at risk religious peace , the domestic courts put forward relevant and sufficient reasons"

’’گستاخانہ بیانات کوکسی معقول مباحثے کی جائز حد سے تجاوز کرنے اور انہیں پیغمبر اسلام پر مکروہ حملہ قرار دیتے ہوئے جو تعصب کو جنم دے سکتا ہے اور مذہبی امن کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، اس پر غور کر کے علاقائی عدالتوں نے متعلقہ اور مناسب وجوہات پیش کیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔‘‘ یعنی ’’یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس (ای سی ایچ آر) کے فیصلے کے تحت حضرت محمد ﷺ کو بدنام کرنا ’’کسی معروضی مباحثے کی جائز حد سے بالاتر ہے‘‘ اور ’’تعصب کو جنم دے سکتا ہے اور مذہبی امن کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے‘‘ اور یوں آزادیِ اظہارِ رائے کی اجازت کی حد سے تجاوز کیا جاسکتا ہے۔‘‘

آزادیِ اظہار کی حدود سے متعلق یہ یورپ کی سب سے بڑی عدالت کا فیصلہ ہے۔

ہماری دانست میں فرانس کے صدر کی موجودہ جھنجھلاہٹ کا سبب دو باتیں ہوسکتی ہیں: ایک وجہ تو یہ ہے کہ آزاد ذرائع سے سروے کرنے والے اداروں کا کہنا ہے کہ فرانس میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور ۲۰۴۰ء میں اسلام فرانس کا سب سے بڑا مذہب ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فرانس کا صدر آئندہ الیکشن جیتنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف یہ غیظ وغضب دکھا اور پابندیاں لگا رہا ہے، تاکہ اپنے غیر مسلم ووٹروں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا سکے، اس کے علاوہ بھی کچھ وجوہات ہوسکتی ہیں، جن کی بنا پر یہ توہین آمیز خاکے بنائے اور عام کیے جارہے ہیں، مثلاً:

۱:- اسلام کے خلاف نفرت کا اظہار کرنا اور لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنا۔

۲:- مسلمانوں کو اشتعال دلانا، تاکہ ان کے مشتعل اقدامات کو بہانہ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جائے۔

۳:- اسلام کی تیز رفتار اشاعت پر قدغن لگانا، تاکہ اسلام کی طرف مائل ہونے والا یورپی طبقہ دوری اختیار کرے۔

۴:- ملک کے اصلی مسائل اور موضوعات سے عوام کو بھٹکانا۔

ان حالات میں مسلمانوں کے لیے یہ بات ضروری ہوجاتی ہے کہ: پوری دنیا کے مسلمان ہر ممکن ذرائع اختیار کرکے اقوامِ متحدہ سے مطالبہ کریں کہ وہ اظہارِ رائے کی آزادی کی جائز، منصفانہ اور شریفانہ حدود قائم کرے، جس میں یہ بات شامل ہو کہ کسی بھی مذہب کی مقدس شخصیتوں کی اہانت ایک جرم اور دل آزاری ہے اور یہ اظہارِ رائے کے دائرہ میں نہیں آتی، بلکہ اشتعال انگیزی اور تشدد پسندی کے دائرہ میں آتی ہے۔

۲:.....او آئی سی کا اجلاس بلاکر تمام مسلم ممالک متفقہ لائحہ عمل اپنا کر اقوامِ متحدہ سے یہ مطالبہ کریں کہ آئندہ ایسی شرانگیزی کرنے والی حکومتوں سے اپنے تعلقات ختم کردیں یا محدود کریں۔

۳:..... جہاں مسلم حکومتیں نہ ہوں، وہاں مسلمان انفرادی طور پر اور جہاں ان کی حکومتیں ہوں، وہ ممالک حکومتی سطح پر فرانس کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ موجودہ دور میں یہ پرامن احتجاج کا ایک مؤثر طریقہ ہے اور اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے۔ نیز مسلم ممالک ڈالر، یورو اور پاؤنڈ کے ذریعہ معاملہ نہ کریں، بلکہ مسلم ممالک اپنی اپنی کرنسیوں کے ذریعہ تجارت کو اپنا وطیرہ بنائیں، ان شاء اللہ! اس سے ان ممالک کو مؤثر پیغام جائے گا۔

۴:.....ایک اہم کام یہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر لٹریچر تیار کیا جائے، جس میں حضور اکرم ﷺ کے اخلاق، آپ ﷺ کی سیرت، اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر مشتمل مضامین کو شامل کیا جائے۔

۵:..... ہر مسلمان اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے کو اپنی زندگی کا جزو بنائے اور غیر اسلامی نظریات، افکار، خیالات، عادات واطوار، تہذیب وتمدن، معاشرت اور سیاست وغیرہ سے کلی اجتناب کرے، خصوصاً فیشن پرستی کو چھوڑ کر سادہ زندگی گزارنے کو ترجیح دے۔

۶:..... ہر گھر میں حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت کے مطالعہ کو عام کریں، نمازوں کا اہتمام کیا جائے، زندگی کے ہر موڑ پر رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو معلوم کرکے اس پر عمل کرکے بدعات اور خرافات سے کلی کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے حالاتِ زندگی سے خوب واقفیت حاصل کرکے اُنہیں کے نقوش پر زندگی گزارنے کی کوشش کی جائے۔

۷:.....علمائے کرام سے محبت اور دینی ودنیوی ہر معاملہ میں ان سے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ان شاء اللہ! ان باتوں پر عمل کرنے سے جہاں ہم اپنے نبیِ مکرم، فخرِ معظم، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ان گستاخوں کو مؤثر جواب دے سکیں گے، وہاں اپنے مذہب اسلام اور حضور اکرم ﷺ کے اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کا نمونہ بھی پوری دنیا کے سامنے پیش کرنے کا فریضہ ادا کرسکیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جامعہ زبیریہ پشاور کے طلبہ کی شہادت

پشاور میں کوہاٹ روڈ، دیر کالونی میں واقع جامعہ زبیریہ میں دھماکے سے پانچ طالب علموں سمیت ۸ اَفراد شہید جبکہ ۱۱۲ زخمی ہوگئے۔ دھماکا منگل کی صبح آٹھ بجے اس وقت پیش آیا، جب درسِ قرآن کی کلاس جاری تھی۔ دھماکے سے مدرسہ کا ہال خون سے لت پت ہوگیا۔ مدرسہ سے ملحقہ مسجد کے ایک حصے کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ دھماکے کی آواز دور دور تک سنی گئی اور قریبی عمارتیں بھی لرز گئیں، جس سے خوف وہراس پھیل گیا۔ پولیس کے مطابق نامعلوم شخص بیگ میں ٹائم بم رکھ کر گیا اور دہشت گردی کے لیے ۵ سے ۶ کلو بارودی مواد استعمال کیا گیا، جس میں چھرے بھی موجود تھے۔ درس دینے والے مولانا رحیم گل معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔ آگ لگنے سے کئی زخمی بری طرح جھلس گئے، جس میں دس کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ دوسرے ہال میں ایک ہزار طلبہ موجود تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حکومت اور ایجنسیوں کی طرف سے یہ تو بتایا جاتا ہے کہ دہشت گرد ملک میں گھس آئے ہیں، لیکن ان کو روکنے کا ان کے پاس کوئی انتظام نہیں۔ اس ادارہ کے بارہ میں تو شنید ہے کہ دھماکے سے تین دن پہلے پولیس نے اس ادارہ کی انتظامیہ کو مطلع کیا تھا کہ یہاں دہشت گردی ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب پولیس اور انٹیلی جنس اداروں کو معلوم ہے کہ یہ مدرسہ نشانہ پر ہے تو اس کے لیے سیکورٹی کا انتظام کیوں نہ کیا گیا؟ اور دھماکے کے بعد ابھی تک دھماکا کرنے والوں کا کوئی سراغ کیوں نہیں لگایا جاسکا، جب کہ خدانخواستہ اگر یہ دھماکا کسی اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں ہوتا تو اس کے قاتل چوبیس گھنٹوں میں منظرِ عام پر لائے جاتے اور ان کے لیے سزائے موت کا فیصلہ بھی ہوچکا ہوتا، لیکن چونکہ یہ مدرسہ کے طلبہ ہیں جو قرآن وسنت کی تعلیم پانے والے ہیں، گورنمنٹ کے ہاں ان کی کوئی اہمیت نہیں، اس لیے کوئی سرکاری وزیر، مشیر، وفاقی یا صوبائی ان شہید طلبہ کی تعزیت کے لیے نہیں گیا۔ ٹھیک ہے روزِ جزاء جب یہ معاملہ کھلے گا تو ان شاء اللہ! دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا، وہاں قاتلوں، ان کے سرپرستوں اور سہولت کاروں کے لیے چھپنے کے لیے کوئی مقام نہ ہوگا۔

ادارہ بینات تمام شہداء کے لیے رفع درجات کی دعا کرتا ہے، اہل مدرسہ اور اُن کی انتظامیہ سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام زخمی طلبہ کو جلد از جلد صحت وعافیت عطا فرمائے، ان کے ورثہ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور تمام دینی مدارس وعلماء کی حفاظت فرمائے، آمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابلِ فخر بلند مرتبہ اوصاف کے مالک، جناب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور ہمیشہ اپنی مرضیات اور پسندیدہ امور کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے مقررہ بابرکت اور پاکیزہ دعا کے طور پر! اُمید ہے کہ آنجناب بخیر وعافیت ہر خیر وسعادت کے لیے باتوفیق ہوں گے۔

بعد سلام! افسوس کہ مجھے آپ کے اس والا نامے کا جواب دینے کا موقع نہ ملا، جس سے آنجناب نے ریاض میں اپنے علمی افادات کے مرکز پہنچنے کے بعد ہمیں مشرف فرمایا تھا۔ ہمارے اور آپ کے مکرم ومحبوب دوست سید محمود حافظ کی رفاقت میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ملاقات کے بعد، جس (ملاقات) کی یادیں دل ودماغ میں آباد ہیں۔ کاش! کہ آپ کے بابرکت قیام کی مدت طویل ہوتی، لیکن وہ تو خوشبو کا اِک جھونکا تھا جو غائب ہوگیا اور ایک حسین خواب تھا جو پلک جھپکتے میں ختم بھی ہوگیا، بہرکیف ہر فوت شدہ شے کی تسلی اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہی ہے۔

آپ کے سفر کے تھوڑے روز بعد ہی شیخ محقق، مولانا ظفر احمد عثمانی جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے، میں نے ماہنامہ بینات (بابت شمارہ: ۶، جلد: ۲۵، ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ) میں ان کی وفات، کچھ احوال وواقعات اور قابلِ فخر اوصاف وخدمات سے متعلق بصائر وعبر کے عنوان - جس پر میں ہر شمارہ

میں لکھتا ہوں- کے تحت مختصر مضمون قلم بند کیا ہے۔مرحوم کی وفات بروزِ اتوار ۲۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ہوئی ہے۔اس مضمون میں ''قواعد في (علوم) الحديث '' کی طباعت اوراس پر آپ کی قیمتی ونفیس تعلیقات کی نسبت سے آپ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل پانچ سطریں بھی ہیں، میں ہوائی ڈاک کے ذریعے کتاب سمیت بینات کا یہ شمارہ بھی ریاض کے پتے پر آپ کو ارسال کررہا ہوں۔امید ہے کہ وہاں کوئی صاحب آپ کو اس کا ترجمہ کردیں گے اور مناسب ہوگا کہ آپ اسے کسی سعودی رسالے میں شائع کروادیں، ورنہ ہمیں بتادیجیے گا، ہم ترجمہ کرکے آپ کو ارسال کردیں گے،ان شاءاللہ!

مجھے افسوس ہے کہ اس سال موسمِ حج میں ملاقات کا موقع نہ مل سکا،اس کی وجہ مکہ مکرمہ میں قیام کی مختصر مدت اور دہشت انگیز رش تھا، میں استاذ ڈاکٹر قاسمی کے گھر میں الشریف شرف کی عمارت میں مہمان تھا جو آپ کے ہاں سے شیخ کتبی کے گھر کی طرف جانے والے راستے میں ہے،مسجدِحرام کی طرف میں کم ہی نکلتا تھا۔

پھر دوسری طرف ملک فیصل کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے، (ان کی وفات سے) مسلم حکمرانوں کے درمیان ایک خلا پیدا ہوگیا،جس کے پُر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ان کی زندگی کا آخری دور قابلِ رشک اور بیک وقت تدبر وسیاست، جودوکرم، ہمت وشجاعت اور اسلام ومسلمانوں کی عزت وفضیلت سے بھرپور تھا، وہ ایک ایسے وقت میں امتِ عربیہ واسلامیہ سے جدا ہوئے ہیں، جب ان کی ضرورت زیادہ تھی، إنا لله وإنا إليه راجعون!

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهٗ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهٗ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

''قیس کی وفات کسی ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ وہ تو قوم کی بنیاد تھی، جو اَب زمین بوس ہوگئی۔''

اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے،ان سے راضی ہوجائے اور اسلام ومسلمانوں کی خدمت پر انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

چندروز قبل میری لختِ جگر بیٹی کا بھی انتقال ہوگیا، جو نابینا، نیک صالح،عبادت گزار، حافظِ قرآن اور صابرہ وشاکرہ تھی،اس دور میں ہم نے اس جیسی خاتون نہیں دیکھی، نہ ایسی کسی خاتون کے بارے میں سنا،اوراس سے قبل اس کی بیٹی یعنی میری نواسی کا بھی انتقال ہوا،مرحومہ کے لیے مغفرت

ورحمت اور رضائے خداوندی کی دعاؤں کا متمنی ہوں، وہ دو برس حرمین میں مقیم رہی اور تین حج کیے۔

اخیر میں میری دعائیں اور سلام قبول کیجیے، امید ہے کہ آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں گے۔ اور آپ کی قابلِ قدر علمی جد وجہد کے نتیجے میں کوئی نئی کتاب منظرِ عام پر آئے تو مجھے بھی اس سے استفادہ کا موقع دیجیے گا۔ دعا ہے کہ تحقیق وجستجو کی کلیوں سے فائدہ اُٹھاتے رہیے!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مخلص

محمد یوسف بنوری عفی اللہ عنہ

۵-۴-۱۹۷۵ء

کراچی، مدرسہ کے گھر

پس نوشت: میرے عزیز بیٹے محمد بنوری آنجناب کو تحیاتِ طیبہ پہنچانے کا کہہ رہے ہیں۔ بعد ازاں مولانا عثمانی کی وفات سے متعلق اپنے مضمون کا (عربی) ترجمہ کرنے کا موقع مل گیا، اب میں رسالہ کے بغیر وہی مضمون ارسال کررہا ہوں۔(بنوری)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

محبتِ رسول (ﷺ) کے عملی تقاضے

اور ہماری غفلت

مولانا عبدالقوی ذکی حسامی
امام وخطیب مسجد لطف اللہ، دھاتو نگر، حیدر آباد، انڈیا

مومن کا دل محبتِ رسول ﷺ میں سرشار ہونا' لازمی اور فطری بات ہے، اور یہ محبت علی وجہ الاتم تمام مادی نسبتوں اور چیزوں سے بڑھ کر ہونا' کمالِ ایمان کی نشانی اور عنداللہ مطلوب ہے:

''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.'' (صحیح بخاری)

''تم میں سے کوئی کمالِ ایمان کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میری ذات کے بعد مجھے آپ سے سب سے زیادہ محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا ایمان کامل نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم تمہارا ایمان اب مکمل ہوا۔''

قدرتی دستور اور عشقِ رسول ﷺ کا پہلا مطالبہ عمل ہی ہے۔ صرف زبانی دعوائے محبت یا تصدیقِ قلبی واقرارِ لسانی کافی ہوتا تو عہدِ نبوت سے آج تک کوئی منافق اور کافر نہ ہوتا، جب تک کہ کردارِ عملی کا اظہار نہ ہو، مومن اور منافق میں امتیاز، موحد اور مشرک میں امتیاز کیسے ہوتا؟! عمل پیمانہ ہے مومنِ صادق اور منافق کے درمیان، عشقِ رسول ﷺ کے باب میں زبانی دعوائے محبت اس پھول کی مانند ہے جو کاغذ سے بنا ہو، جس میں خوشبو چھو کر بھی نہ گزری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان عمل ہی سے مومن کو روکتا ہے، اور اللہ کے یہاں بھی بندہ مستحقِ اجر عمل ہی کے بعد ہوتا ہے۔ علم بغیر عمل کے حجت ہوگا۔ بے عملی کی زندگی موجبِ غضبِ الٰہی ہے اور باعثِ رسوائی ہے، انسان کی طبیعت میں یہ بات فطرتاً داخل ہے کہ وہ اپنے ادنیٰ سے محسن کا بھی زندگی بھر ممنون ہوتا ہے، اس کے حکم اور ہر اشارہ کو روبہ عمل لانے کے لیے بے تاب ہوتا ہے، لیکن جہاں محسنِ اعظم امام الانبیاء ﷺ کے حکم کو ماننے اور اطاعت کرنے کی بات آتی ہے تو پھر انجان ہو جاتے ہیں۔

ساری کائنات پر آپ ﷺ کے احسانات نصف النہار کے سورج کی طرح عیاں ہیں، آپ ﷺ سے محبت دل کا اطمینان ہے، آپ ﷺ سے عقیدت شرطِ ایمان ہے، آپ ﷺ کے حکم پر عمل آوری وصفِ مسلمان ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں آقا ﷺ سے کامل محبت اور سچے عشق کے ساتھ ساتھ بھرپور عمل بھی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف حکم بلکہ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہر عمل کو بھی اپنی عملی زندگی کا حصہ بنایا۔ انفرادی ہو یا اجتماعی زندگی، شخصی معاملات ہوں یا ملکی یا بین الاقوامی معاہدات، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، مصلے پر ہو یا بسترِ حرم پر، ہر موقع پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی سیرت اور اُسوہ کو اپنے دامنِ عمل سے پیوستہ رکھا۔ بعد والوں کے لیے وہ مقدس جماعت مینارۂ منزل بن گئی۔ اتباعِ سنت کے لیے انہیں نہ بادشاہ کی پرواہ ہے، نہ باپ کی، آقا ﷺ کے حکم کو بجالانے میں نہ دریا حائل ہوتا تھا، نہ جنگل وبیاباں اور صحراء نہ گلستاں، اسی بنا پر باطل ان کے رعب سے لرز اُٹھتا۔

قرآنِ پاک میں بے شمار مقامات پر اللہ رب العزت نے ایمان باللہ کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر بکثرت کیا ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا .'' (الکہف:۱۰۷)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں بھلے کام، ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی۔''

ایک اور جگہ پر فرمایا: ساری انسانیت خسران میں ہے سوائے ایمان اور عملِ صالح کے:

''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ .'' (العصر:۲،۳)

ترجمہ: ''مقرر انسان ٹوٹے میں ہے، مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام۔''

ایک مقام پر یوں ذکر کیا:

''وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ .'' (المومن:۴۰)

''جو نیک کام کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو رزق دیا ملے گا۔'' (تھانویؒ)

ایک مقام پر اپنی ذات سے محبت کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے حبیب (ﷺ) کی اتباع کرو:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .'' (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: ’’تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو، تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت پر دو انعامات سے نوازنے کا وعدہ کیا ہے: ایک اپنی محبت اور دوسرا گناہوں کی مغفرت۔ ایک حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ.‘‘ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ’’تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک تمہاری خواہشات اور جذبات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔‘‘

اس کا عملی نمونہ ہم کو دیکھنا ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی دیکھیں کہ انہوں نے کیسے لازوال نمونے بعد والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کدّو پسند نہ تھا، آقا ﷺ کو تلاش کر کے کھاتا دیکھ کر آپؓ کو بھی شوق ہوگیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما محض اتباعِ سنت کی غرض سے اس مقام پر بیٹھے جہاں آقا ﷺ ایک سفر کے دوران قضائے حاجت کے لیے گئے تھے، کچھ دیر آپؓ بھی اسی مقام پر بیٹھ گئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اگر میں آقا ﷺ کو بوسہ کرتے ہوئے نہ دیکھتا۔ (الشفاء)

قاضی عیاضؒ نے ’’شفاء‘‘ میں فرمایا: واقعتاً کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محبوب کی محبوبات و مرغوبات، حتیٰ کہ مباحات سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ ایک سچے عاشقِ رسول کا جذبہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ وہ کردار کا غازی بنے، نہ کہ محض گفتار کا۔ آقا ﷺ کی ہر ادا اور ہر حکم کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور پر بجالائے۔ آقا کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

’’اَلْمُتَمَسِّکُ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ شَهِيْدٍ.‘‘ (معجم اوسط للطبرانی بحوالہ معارف الحدیث)

’’لوگوں کے فساد کے وقت جو میری سنت کو اپنائے گا اللہ اُسے شہید کا ثواب عطا فرمائے گا۔‘‘

مقامِ افسوس ہے کہ آج ہماری دین کے اعتبار سے حس مفقود ہوگئی۔ سنن، مستحبات، مباحات تو دور کی بات ہے، فرائض کا بھی پتہ نہیں۔ صلہ رحمی، ایثار، ہمدردی، تالیفِ قلب تو دور کی بات‘ حقوقِ واجبہ ولازمہ تک بھی ادا نہیں ہوتے۔ منکرات پر نہ دل ناراض ہوتا ہے، نہ بے دینی کے ماحول میں بے چینی ہوتی ہے۔ معروفات کی تلقین ہے نہ دینی فضاء سے وابستگی۔ سچی محبت عمل پر اُبھارتی ہے، سچا عشق اطاعت کا پابند بناتا ہے، ورنہ زبانی دعویٰ، محض دعویٰ ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ ہمیں توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نواسۂ رسول شہیدِ کربلا

حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

فضائل و احوال

مولانا عبدالصمد ساجد
رفیق شعبہ تحقیق وتصنیف جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا

نواسۂ رسول، شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور شیرِ خدا خلیفۂ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے لختِ جگر اور نواسۂ پیغمبر علیہ السلام ہیں۔

مؤرخِ اسلام مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس لحاظ سے آپ کی ذاتِ گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔'' (سیر الصحابہؓ: ۱/۱۳۱)

سیدنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق تعالیٰ نے تین بیٹوں: حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم، اور دو بیٹیوں سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن سے نوازا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی اولادِ امجاد میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

نام ونسب

آپ کا اسمِ سامی حسین، کنیت ابوعبداللہ اور ''سید شباب أهل الجنة'' اور ''ريحانة النبي'' لسانِ نبوت سے ملے القاب ہیں۔ شجرۂ عالیہ یہ ہے:

''حسين بن علي بن أبي طالب بن هاشم القرشي الهاشمي.'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا:

''اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.'' (سنن الترمذی: ۳۷۶۸)

ترجمہ: ''حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

نیز ارشادِ نبوی ہے:

''عَنِ ابْنِ أَبِيْ نُعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوْضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوْا إِلٰى هٰذَا، يَسْأَلُنِيْ عَنْ دَمِ الْبَعُوْضِ، وَقَدْ قَتَلُوْا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.'' (صحیح البخاری، رقم: ۵۹۹۴)

ترجمہ: ''ابن ابی نعیمؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا، ایک شخص نے آپؓ سے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کیا (کہ اگر محرم کے لباس کو لگ جائے تو کیا حکم ہے؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ: اہلِ عراق میں سے ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو! یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے (نواسے) کو شہید کر ڈالا، میں نے رسولِ خدا ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: یہ (حسن و حسین) دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔''

پیدائش، نام اور ابتدائی حالات

باغِ نبوت کے پھول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل ہی بذریعہ خواب پیدائش کی بشارت دے دی گئی تھی، مستدرک للحاکم میں ہے:

''عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَتْ: إِنَّهُ شَدِيْدٌ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حِجْرِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا، فَيَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ، فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلْتُ يَوْمًا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ حِجْرِهٖ، ثُمَّ حَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ، فَإِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ مِنَ الدُّمُوْعِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَا لَكَ؟ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ أُمَّتِيْ سَتَقْتُلُ ابْنِيْ هٰذَا فَقُلْتُ: هٰذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَأَتَانِيْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَاءَ.'' (رقم الحدیث: ۴۸۱۸)

ترجمہ: ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! رات میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیسا خواب ہے؟ عرض کی: بہت سخت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہے وہ؟ عرض کی: میں نے دیکھا ہے کہ گویا آپ کے بدن کا کوئی ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تعبیر بیان فرمائی کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا، وہ تمہاری گود میں ہوگا (تم اُسے دودھ پلاؤ گی)، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، تو میری گود میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؓ کو میں نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال دیا، رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے رواں تھیں۔ حضرت امِ فضل رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہوا ہے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو شہید کردے گی۔ میں نے عرض کی: کیا یہ بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور وہ میرے پاس اس کی (خون آلود) سرخ مٹی کا کچھ حصہ بھی لائے ہیں۔''

آپ کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں: تاریخ ابن کثیر میں ۳، ۴ اور ۶ ہجری کا قول درج ہے، جبکہ شاہ معین الدین ندویؒ نے ۴ ہجری اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵ ہجری لکھا ہے۔

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لائے، اپنے نومولود کو اپنے دستِ مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام ''حسین'' رکھا۔ (ابن کثیر: ۸/۱۶۰)

نیز رسولِ اکرم ﷺ نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔ (مستدرکِ حاکم، رقم: ۴۸۲۷۔ المعجم الکبیر: ۹۲۶)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ''خامس أهل الكساء''ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں کہ آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد جن کو رسول اللہ ﷺ نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔ (اسد الغابہ: ۱/۴۹۶)

مستدرک للحاکم میں مفصل روایت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد دیگرے

اپنے تین بیٹوں کا نام ''حرب'' رکھتے رہے، رسول اللہ ﷺ نے تبدیل فرما کر بالترتیب حسن، حسین اور محسّن رکھا اور فرمایا کہ میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبیر، شبر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین، رقم:۴۷۷۳۔ اسد الغابہ:۱/۴۹۶)

حلیۂ مبارک

آپ کا بدن مبارک حضرت رسولِ خدا ﷺ کے بدن کے مشابہ تھا۔ (جامع الترمذی، رقم:۳۷۷۹۔ البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ)

فضائل ومناقب

آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ آپ نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور رتبۂ صحابیت پر فائز ہیں، جو اس حسب ونسب کی فضیلت کو باعثِ نجاتِ اُخروی بنادیتا ہے۔

جناب حضرت حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضرت محبوبِ رب العالمین کی محبتوں، شفقتوں اور توجہات کے محور ومرکز رہے۔ رسولِ خدا ﷺ کی اپنے ان لاڈلوں سے اُلفت وموانست اور لاڈ پیار بے مثال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

''جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے سامنے باہم کشتی کا کھیل کھیل رہے تھے، اور آنحضرت ﷺ فرمارہے تھے: حسن! شاباش! جلدی کرو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں: آپ حسن کو ہی کیوں شاباشیاں دے رہے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: حسین کو جبریل امین کہہ رہے ہیں کہ شاباش حسین! جلدی کرو۔'' (اسد الغابہ:۱/۴۹۷ ۵)

''عن أُسامة بن زيدٍ، قال: طرقتُ النبيَّ صلّى الله عليه وسلّم ذات ليلةٍ في بعض الحاجة فخرج النبيُّ صلّى الله عليه وسلّم وهو مُشتمِلٌ على شيءٍ لا أدري ما هو، فلمّا فرغتُ من حاجتي، قلتُ: ما هذا الّذي أنت مُشتمِلٌ عليه؟ فكشفه فإذا حسنٌ وحُسينٌ على وركيه، فقال: هذان ابناي وابنا ابنتي، اللّهمّ إنّي أُحبُّهما فأَحِبَّهما وأَحِبَّ من يُحبُّهما.'' (جامع الترمذی)

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے کسی کام سے رسول اللہ ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ نے کچھ اوڑھا ہوا تھا، معلوم نہیں کیا تھا، جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو میں نے عرض کیا کہ: یہ کیا

ہے جو آپ نے اُٹھا رکھا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ہٹایا تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت مبارک پر تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اِن دونوں سے محبت رکھے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسولِ خدا ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: حسن وحسین سے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے کہ میرے بچوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر آپ انہیں چومتے اور سینے سے لگاتے۔'' (ترمذی:۳۷۷۲)

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ: اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصوں میں ملبوس گرتے پڑتے آرہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ منبر سے اُترے، دونوں حضرات کو اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ''إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ.'' (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہے) میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ گرتے ہوئے آرہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا، حتیٰ کہ میں نے اپنی گفتگو روک کر اُنہیں اٹھایا۔'' (جامع ترمذی:۳۷۷۴)

یعلیٰ بن مرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں (لہٰذا حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے اور حسین سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے) اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرتا ہے۔'' (جامع ترمذی:۳۷۷۵)

''ایک دفعہ رسول کریم ﷺ ظہر یا عصر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ نے اپنے لاڈلوں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو اُٹھایا ہوا تھا، آپ امامت کے لیے آگے بڑھے تو دائیں پاؤں کی جانب نواسے کو بٹھادیا، پھر سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سر اوپر کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تو سجدے میں ہیں اور بچہ آپ کی پشت پر سوار ہے، میں دوبارہ سجدے میں لوٹ گیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

(نماز سے فارغ ہوکر) رخ پیچھے موڑا تو لوگوں نے عرض کی کہ: یارسول اللہ! آپ نے اپنی نماز میں آج جیسا سجدہ کیا ایسا سجدہ پہلے کبھی نہیں فرمایا، کیا کسی چیز کا حکم ہوا ہے یا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اُسے جلدی اُتار دوں۔'' (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۷۷۵)

رحمتِ عالم ﷺ اپنے ان پیارے نواسوں کو ان خوب صورت الفاظ میں دم کرکے شیطان اور نظرِ بد وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتے تھے:

''أُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَهَامَّۃٍ، وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ.''

''میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات سے ہر شیطان، تکلیف دہ چیز اور ہر قسم کی بدنظری سے پناہ میں دیتا ہوں۔''

نیز فرماتے کہ: ''جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کو پناہِ خداوندی میں دیا کرتے تھے۔'' (صحیح البخاری، رقم: ۳۳۷۱)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوتِ طعام پر گئے، رسول اللہ ﷺ لوگوں کے آگے آگے چل رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ بھی (اُن کو پکڑنے کے لیے دوڑ کر) خوش طبعی کرنے لگے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اُنہیں پکڑ لیا، پھر اپنا ایک ہاتھ اُن کی گدی پر رکھا اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کے دہنِ طیب پر اپنا دہن مبارک رکھ کر چومنے لگے اور فرمایا کہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرے۔'' (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۸۲۰)

آپ رضی اللہ عنہ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور باغِ نبوت کے مہکتے پھول تھے، جس ماحول میں آپؓ نے پرورش پائی، اس سے پاکیزہ اور اچھے ماحول کا تصور ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ آپؓ اخلاق، اعمال، صوم وصلاۃ، حج وزکوۃ، صدقہ وخیرات، اُمورِ خیر اور عبادات میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔'' (سیر الصحابہؓ: ۴/ ۲۰۷)

وقار، شائستگی، تواضع اور استقلالِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسم اور تعلق

مؤرخ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کی تکریم و تعظیم کیا کرتے تھے، (باوجودیکہ اس وقت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ صغیر السن تھے، مگر یہ جانثارانِ رسول قرابتِ رسول ﷺ کا کیوں کر لحاظ نہ کرتے؟) پھر آپ اپنے والدگرامی قدر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ان کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی، مشاجرۂ جمل اور صفین میں بھی شرکت کی، والد ماجد کی بہت توقیر کرتے تھے، ان کی شہادت تک اطاعت گزاری کی، پھر مصالحتِ سیدنا حسن با سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی تسلیم کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں صاحبزادوں کا خصوصی اکرام کرتے، انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے، عطایا دیتے، دو لاکھ درہم تک ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال وفد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خوب خدمت اور عزت کرتے، خلافتِ معاویہؓ میں ہونے والے غزوۂ قسطنطنیہ میں بھی آپ شریک تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۶۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحیح بخاری میں موجود ہے:

''ارْقُبُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِهٖ.'' (صحیح البخاری: رقم ۳۷۵۱)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت میں آپ کی قرابت کا لحاظ رکھو۔''

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ روابط جو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت بہترین انداز میں قائم کر رکھے ہیں ٹوٹنے نہ پائیں۔ شیخ ابن بابویہ قمی حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں یزید کو جو نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی:

''حق حرمتِ اورا بشناس ومنزلت وقرابتِ اورا با پیغمبر بیاد آورد، با کردہ ہائے او مواخذہ مکن و روابطی کہ من با او دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن۔'' (جلاء العیون، ص: ۳۸۸، ایران)

ترجمہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حقِ احترام کو پہچاننا اور انہیں جو قرب اور درجہ حضورِ اکرم ﷺ

کے ہاں حاصل ہے اُسے یاد رکھنا، ان کے کسی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان سے نہایت مضبوط کرر کھے ہیں انہیں ہرگز قطع نہ کرنا۔‘‘ (عبقات:۱/۱۸۵)

ازواج واولاد

آپ کی ازواجِ طاہراتؓ میں لیلیٰ، حباب، حرار اور غزالہ شامل ہیں۔ اولاد درج ذیل ہے: صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب۔ (سیر الصحابہؓ) بیٹوں میں: علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، عمر، یزید۔ (تاریخ الائمہ، للرافضۃ، ص:۸۳)

شہادت

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک اور دردناک واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ یزید کے دورِ جور و جفا میں پیش آیا، جس کی تفصیلات مفتی اعظم مولانا محمد شفیع عثمانی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہما اللہ کی کتب ’’شہیدِ کربلا‘‘ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’فوائدِ نافعہ‘‘ جلد دوم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جملہ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم اور خاندانِ نبوت کے تمام افراد کی محبت واُلفت عطا فرمائے اور اُن کے نقوشِ پا پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

علمِ اسناد کا تعارف اور اُس کی حقیقت!

مولانا محمد اکمل جمال ژوبی
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

دینِ اسلام کا امتیاز ہے کہ اس کے تمام شرعی علوم اپنے کہنے والے کے ساتھ سند کے ذریعے قائم اور مربوط ہیں، اسی امتیازی خصوصیت کی بنیاد پر علومِ اسلامیہ کی استنادی حیثیت نہایت مضبوط ہے، اس کے برعکس دوسرے ادیان اور مذاہب کے بنیادی عقائد سے لے کر عام علوم تک کی حیثیت نہ صرف مشکوک بلکہ ناقابلِ اعتماد ہے۔

اسناد کی تعریف

لغت میں اسناد سے مراد ہے: اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا، نیچے سے اوپر جانا۔ (۱) عام اصطلاح میں ''رفع القول إلٰی قائلہٖ ''یعنی قول کی نسبت اپنے کہنے والے کی طرف کرنے کا نام اسناد ہے۔

حدیث کی اصطلاح میں حافظ ابن جماعۃؒ (۷۳۳ھ) اور علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) نے اس کی تعریف ''ھو رفع الحدیث إلٰی قائلہٖ۔''(۲) اور حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۲ھ) نے ''حکایۃ طریق المتن''(۳) سے کی ہے، جن کا حاصل معنی تقریباً ایک نکلتا ہے، یعنی متن تک پہنچنا، کسی حدیث کی سند بیان کرنا، جبکہ سند سے مراد ہے راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے ابتدائی راوی سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تک پہنچتا ہے۔ اس کی مثال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) کی اپنی صحیح میں بیان فرمودہ حدیث ہے:

''حدثنا مسدد، قال: حدثنا یحیٰی، عن شعبۃ، عن قتادۃ، عن أنس رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حتّٰی یُحبَّ لِأخیہِ ما یحبُّ لِنَفْسِہٖ۔''(۴)

مذکورہ مثال میں متن آپ ﷺ کا قول: ''لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ '' حدیث ہے۔ طریق متن میں مذکور راوی یعنی مسدد، یحیٰی، شعبۃ، قتادہ، اور انس ہیں۔ اسناد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: ''حدثنا

مسدد، قال: حدثنا یحییٰ، عن شعبة، عن قتادة، عن أنسؓ، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم .'' ہے۔ (۵)

حدیثی اصطلاح میں سند کو طریق (٦) اور وجہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ (٧)

اسناد کی اہمیت

اسناد دراصل کسی بھی علم کے قابلِ اعتماد ہونے یا نہ ہونے کا اہم ذریعہ ہے، خصوصاً علم حدیث میں کہ اس کے پورے ذخیرے کا دارمدار سند میں مذکور راویوں پر ہوتا ہے۔ راوی قابل اطمینان ہیں تو حدیث قابلِ قبول ہے، ورنہ نہیں، اس لیے مشہور حافظ علامہ ابوسعد السمعانی رحمۃ اللہ علیہ (۵٦۲ ھ) ''أدب الإملاء والاستملاء'' میں لکھتے ہیں:

''وألفاظ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا بد لها من النقل، ولا تعرف صحتُها إلا بالإسناد الصحیح، والصحة في الإسناد لا تعرف إلا بروایة الثقة عن الثقة والعدل عن العدل۔''(۸)

''آپ ﷺ کے ارشادات روایت کرنا ضروری ہے، اور ان کی صحت کی معرفت صحیح سند سے ہوسکتی ہے، اور سند کا صحیح ہونا اس طرح معلوم ہوگا کہ اس کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہوں۔''

اسناد کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ جن افراد کے ناموں کا مجموعہ ہے، ان کے واسطے سے ہمیں احادیث، تفسیر، اور شریعت کے دیگر مآخذ پہنچے ہیں۔ تو گویا آپ ﷺ کے ارشادات، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور علمائے امت کے تفسیری اقوال کی صحت وعدمِ صحت کا مدار سند پر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دین سند پر موقوف ہے، اسی لیے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ.''(۹) یعنی سند بیان کرنے کا عمل دین کا حصہ ہے، اس لیے حاکم ''معرفة علوم الحدیث'' میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۱ھ) کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''قال أبو عبد اللّٰہ: فلولا الإسناد و طلب هٰذہٖ الطائفة لهٗ وکثرة مواظبتهم علٰی حفظهٖ لدرس منار الإسلام، ولتمکن أهل الإلحاد والبدع فیه بوضع الأحادیث، وقلب الأسانید، فإن الأخبار إذا تعرت عن وجود الأسانید فیها کانت بترا۔''(۱۰)

''اگر سند نہ ہوتی، اور سند کے سلسلے میں محدثین کا مذکورہ سخت طرزِ عمل نہ ہوتا تو اسلام کی علامت مٹ چکی ہوتی، جس کے نتیجے میں ملحدین اور اہلِ بدعت جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اور اُلٹی سندیں پیش کرکے دین میں گھس جاتے، کیونکہ احادیث کو اسناد سے بے نیاز کردیا جائے تو ان کی بنیاد ختم ہوکر ناقص رہ جائیں گی۔''

اسناد کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیشِ نظر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جاننا فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ (۱۱)

اس لیے کہ سند کے بغیر آپ ﷺ کے ارشادات کی تصدیق وتحقیق مشکل تھی، اور فقہ اسلامی کا اصول ہے: ''مالا یتم الواجب إلا بہٖ فھو واجب'' کہ کوئی چیز فی نفسہٖ واجب نہ ہو، لیکن کسی اور واجب پر اس کے بغیر عمل درآمد ممکن نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہو جائے گی، چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل درآمد فرض ہے، اس لیے ان ارشادات کو جاننا بھی فرض ہے، اور ان ارشادات کو جانا نہیں جاسکتا، جب تک سند کا معاملہ صاف نہ ہو۔ (۱۲)

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) تو سند کے بغیر روایت کرنے کا نتیجہ سلبِ نعمت کا ذریعہ بتلاتے ہیں، علامہ عبدالحی کتانیؒ (۱۳۸۳ھ) اپنی کتاب ''فھرس الفھارس والإثبات'' میں ان کی سراج المریدین سے نقل کرتے ہیں:

''واللّٰہ أکرم ھٰذہٖ الأمۃ بالإسناد، لم یعطہ أحد غیرھا، فاحذروا أن تسلکوا مسلک الیھود والنصاری فتحدثوا بغیر إسناد، فتکونوا سالبین نعمۃ اللّٰہ عن أنفسکم۔'' (۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے اسناد کی خصوصیت سے صرف اس امت کو نوازا ہے، لہٰذا دین کی باتیں نقل کرنے میں یہود اور نصاریٰ کی روش پر نہ چلو کہ بغیر سند کے دینی باتیں سنانے لگو، ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی یہ نعمت خود اپنے ہاتھوں گنوا بیٹھو گے۔''

اسناد کی روایت، آغاز اور ارتقاء

سند کی ابتداء صغار صحابہؓ کے زمانے میں اس وقت ہوئی، جب اسلامی ریاست داخلی فتنوں کی آماجگاہ بن گئی، مسلمانوں میں مختلف عقائد اور آراء رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئیں، جس کا اثر براہِ راست حدیثی روایات پر پڑا، تو ائمہ حدیث نے سند کا مطالبہ شروع کیا۔ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنۃ قالوا: سموا لنا رجالکم، فینظر إلی أھل السنۃ فیؤخذ حدیثھم وینظر إلی أھل البدع فلا یؤخذ حدیثھم۔'' (۱۴)

''فتنوں کے نمودار ہونے سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب فتنہ واقع ہوگیا تو ائمہ حدیث راویوں سے کہنے لگے: اپنے اساتذہ کا نام بتاؤ، چھان بین کے بعد اہلِ سنت رواۃ کی روایت قبول کرتے اور بدعتیوں کی رد کرتے تھے۔''

سند کے ابتدائی مطالبے کے سلسلے میں ایک واقعہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت حاضر ہوکر احادیث سنانے لگا۔ آپ نے نہ اس کی حدیث سنی اور نہ اس کی جانب کوئی التفات کیا، بشیر بن کعب آپ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر کہنے لگا: کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میری حدیث نہیں سن رہے، حالانکہ میں آپ ﷺ سے سنی ہوئی روایت بیان کررہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے: ایک دور تھا کہ جب ہم کسی کی زبان سے ''قال رسول اللّٰہ ﷺ'' سنتے، تو ہماری نگاہیں اس کی جانب دوڑ پڑتی تھیں، اور ہم ہمہ تن گوش ہوجاتے تھے۔ اب جبکہ حالت بدل گئی، لوگوں میں اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، تو ہم صرف انہیں باتوں کو قبول کریں گے، جو ہم پہلے جانتے تھے۔''(۱۵)

اسی سلسلے میں ایک روایت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) اپنی سند سے امام نخعیؒ (۹۶ھ) سے روایت کرتے ہیں:

''إنما سئل عن الإسناد أيام المختار، وسبب هذا: أنه كثر الكذب علٰى عليؓ في تلک الأيام۔''(۱۶)

فرماتے ہیں: اسناد کا مطالبہ سب سے پہلے مختار کے زمانے میں ہوا۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ اس نے حضرت علیؓ پر جھوٹ بولنے میں حد کردی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دورِ صحابہؓ میں سند اپنے مفہوم ''رفع القول إلٰى قائله'' کی شکل میں بھی نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور سیرت کی نسبت آپ کی جانب کرتے تھے اور بعض تو آپ ﷺ کے نام نامی کے بجائے ایسا وصف ذکر کرتے تھے جو روایت کے متعلق عموماً ذہن میں آنے والے شبہات کو دور کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسناد کا مذکورہ طرزِ عمل آپ ﷺ سے سیکھا تھا، آپ ﷺ بسا اوقات اپنی باتوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف یا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، احادیثِ قدسیہ اس کی واضح مثال ہیں۔

اسی طرح اس کا یہ مقصد بھی نہیں کہ اسی وقت ہی تمام احادیث سند کے ساتھ بیان ہونی لگیں، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب کوئی روایت آپ ﷺ سے براہِ راست نہیں سنی ہوتی، بلکہ کسی صحابیؓ سے سنی ہوتی تو اس کو بیان کرتے وقت سند ذکر نہیں کرتے تھے، چنانچہ صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''عن البراءؓ قال: ما كل ما نحدثكم عن رسول اللّٰہ ﷺ سمعناه منه، منه ما سمعناه، ومنه ما حدثنا أصحابنا، ونحن لا نكذب۔''(۱۷)

''ہم جتنی احادیث بیان کرتے ہیں وہ ساری ہم نے آپ سے نہیں سنی ہوتی، بلکہ کچھ تو وہ ہیں جو ہم نے آپ ﷺ سے سنی ہیں اور دیگر وہ ہیں جو ہمیں ہمارے ساتھیوں نے سنائی ہیں

اور ہم ان کی تکذیب نہیں کرتے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرنے میں ہمیشہ سند ذکر کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ ویسے بھی سند کا مطالبہ صحابہؓ سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ صحابہؓ دوسروں سے سند کا مطالبہ کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو حدیث رسول کے متعلق اپنی دیانت اور سچائی کا اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان سے سند کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ ناراضگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ابن الصلاح مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں:

’’وکان أنسؓ یغضب إذا سئل عن حدیث أسمعه من النبی ﷺ، ویقول: ما کان بعضنا یکذب علی بعض۔‘‘(۱۸)

اسی طرح کی ایک روایت ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) نے کامل میں لائی ہے، فرماتے ہیں:

’’وذکر أنس حدیثا، فقال له رجل: أنت سمعت عن رسول اللّٰہ ﷺ؟ قال: نعم، أو حدثنی من لا یکذب، واللّٰہ ما کنا نکذب ولا ندری ما الکذب‘‘(۱۹)

’’ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث ذکر فرمائی، کسی نے کہا: آپ ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! مجھے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، پھر قسم کھا کر فرمایا: خدا کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے اور نہ جھوٹ کا ہمیں کچھ پتہ تھا۔‘‘

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جب تابعینؒ کا زمانہ آیا تو سند کا مطالبہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ سید التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مراسیل کی سند کا مطالبہ کیا جانے لگا، ابن عدیؒ نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے:

’’قال رجل للحسنؒ: إنک تحدثنا فتقول: قال رسول اللّٰہ ﷺ، ولو کنت تسند إلی من حدثک؟ فقال له: إنا واللّٰہ ما کذبنا ولا کذبنا، ولقد غزوت غزوۃ إلٰی خراسان ومعنا ثلٰث مائة من أصحاب محمد.‘‘(۲۰)

’’کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا: کہ آپ بلا واسطہ آپ ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں، اگر آپ اپنے استاذ کا حوالہ دیا کریں؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے، اور نہ ہمیں جھوٹی بات کہی گئی ہے۔ میں خراسان کے ایک غزوہ میں تین سو صحابہؓ کے ساتھ رہا ہوں (یعنی میں تمہیں کس کس کا نام بتاؤں کہ فلاں روایت میں نے کن کن سے سنی ہے)۔‘‘

یحییٰ بن سعید قطانؒ (۱۹۸ھ) کی رائے میں زمانہ تابعین میں سب سے پہلے اسناد کا مطالبہ مشہور تابعی عامر بن شراحیل شعبیؒ (۱۰۳ھ) نے کیا، محدث رامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

’’قرأ الربیع بن خیثم علیه حدیثا، قال الشعبیؒ: فقلت: من حدثک؟ قال عمرو

بن میمون، وقلت لهٗ: من حدثک؟ فقال: أبو أیوب صاحب رسول اللّٰہ ﷺ.
قال یحیٰی بن سعید: وهٰذا أول ما فتش عن الإسناد.''(۲۱)

''ربیع بن خثیمؒ (۶۵ھ) نے ان کے سامنے حدیث بیان کی، شعبیؒ کہتے ہیں: میں نے کہا: کس نے آپ سے بیان کیا ہے؟ کہا: عمرو بن میمون نے، اور میں نے ان سے (روایت لیتے وقت) پوچھا تھا کہ آپ سے کس نے بیان کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ کے صحابی ابوایوب انصاریؓ نے۔ اس کے بعد رامہرمزیؒ لکھتے ہیں: یحییٰ بن سعید نے کہا: یہ سند کے مطالبے کی ابتدا تھی۔''

بہر حال سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کی روایت دورِ صحابہؓ وتابعینؒ میں بھی تھی، مگر نسبتاً کم تھی، ان کا زمانہ گزرنے کے بعد جب وضعِ حدیث کا فتنہ عام ہوگیا اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو سند کے ساتھ روایت ذکر کرنا ایک امر ناگزیر قرار پایا، یہاں تک کہ مشہور محدث امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴ھ) نے- جن کا تعلق صغارِ تابعینؒ کے طبقے سے ہے- بلاسند روایت بیان کرنے کو جرأت علی اللہ قرار دیا، حاکم نے ''معرفة علوم الحدیث'' میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''حدث عتبة بن أبي حکیم أنه کان عند إسحاق بن أبي فروة وعنده الزهري. قال: فجعل ابن أبي فروة یقول: قال رسول اللّٰہ ﷺ، فقال له الزهريؒ: قاتلک اللّٰہ یا ابن أبي فروة! ما جرأک علی اللّٰہ لا تسند حدیثک؟ تحدثنا بأحادیث لیس لها خطم ولا أزمة۔''(۲۲)

''زہریؒ اور ابن ابی فروۃ (۰۷ھ) دونوں کسی مجلس میں تھے، ابن ابی فروۃ (حدیث بیان کرتے ہوئے) کہنے لگا: ''قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم''۔ زہریؒ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا: تیرا ناس ہو ابن ابی فروۃ! تعجب ہے تمہاری جرأت پر، حدیث کی سند نہیں ذکر کرتے؟ بے لگام احادیث بیان کررہے ہو۔''

حاصل یہ کہ اسناد کی ابتدا دورِ صحابہؓ میں ہوئی، پھر کبارِ تابعین کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ رہا، یہاں تک کہ صغار تابعینؒ کے زمانے میں لازمی قرار پائی، چنانچہ سند کے ساتھ روایت اس عہد کا نمایاں طرزِ عمل رہا، جس کی اہمیت کا اندازہ زہریؒ کے مذکورہ بالا قول: ''**تحدثنا بأحادیث لیس لها خطم ولا أزمة**'' اور عبداللہ بن المبارکؒ کے قول: ''**الإسناد من الدین، لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء**''(۲۳) سے معلوم ہوتا ہے۔

انہی حضرات کے معاصر، معروف محدث، امام محمد بن سیرینؒ کا قول بھی اس سلسلے میں مشہور ہے، فرماتے ہیں: ''**إن هٰذا العلمَ دین، فانظروا عمن تأخذون دینَکم**۔''(۲۴) ''یہ علمِ دین ہے،

پس تم دیکھو کہ کس سے یہ دین حاصل کر رہے ہو۔‘‘

اس دور کے ائمہ حدیث: امام زہریؒ، ابن سیرینؒ اور ان کے معاصرین نہ صرف روایت کرنے میں سند کا التزام کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات ادائیگی میں ایسا انداز اختیار فرماتے تھے، جس سے سامعین کے ذہنوں میں سند کی اہمیت بیٹھ جاتی تھی، چنانچہ اس عہد کے مشہور امام حدیث، امام اعمشؒ (۱۴۸ھ) کا طرزِ عمل ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) نے ذکر کیا ہے: کہ وہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے: ’’بقي رأس المال، حدثنا فلان عن فلان عن فلان ۔‘‘(۲۵) گویا وہ اپنے طرزِ ادا سے اس بات کا تصور کراتے کہ روایت میں سند اتنی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حدیث تام اور قابلِ قبول نہیں ہوتی، جس طرح بیع (خرید وفروخت) بغیر راس المال کے پوری نہیں ہوتی۔

ائمہ حدیث کے ہاں سند کا مذکورہ التزام اسی طرح پانچویں صدی کے اول نصف تک رہا، جس کے مشہور محدثین میں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ)، ابونعیمؒ (۴۳۰ھ) اور ابن مندہؒ (۴۷۰ھ) کے نام نمایاں ہیں۔ شام کے مشہور محدث علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ، علامہ لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) کی ’’الأجوبة الفاضلة‘‘ پر اپنی تعلیقات میں سند کے ساتھ روایت کرنے والے آخری محدث امام بیہقیؒ کو قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل صرف بیہقی کے ہاں ملتا ہے، ان کے بعد نسبتاً کم اس کی جھلک ضیاء مقدسی کے ہاں مختارۃ اور ابن عساکرؒ کے ہاں تاریخِ دمشق میں نظر آتی ہے۔ (۲۶)

سند زمانے کے ساتھ ساتھ لمبی ہوتی گئی، جو زمانہ دورِ رسالت کے قریب ہے، اس کی سندیں مختصر ہیں، اور جو زمانہ بعید ہے، وہاں سلسلۂ سند نسبتاً لمبا ہے، چنانچہ حدیثی کتابوں میں سب سے مختصر سند ’’کتاب الآثار‘‘، ’’مسند امام اعظم‘‘ اور ’’مؤطا امام مالک‘‘ کی ہیں، جبکہ سب سے لمبی سند بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی ہے، جس میں سات سے نو تک نام ہوتے ہیں۔

جب سند کا سلسلہ آگے بڑھا، اس میں مذکور راویوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جس کی وجہ سے کسی راوی کا اپنے استاذ سے سماع کا یقینی طور پر معلوم ہونا مشکل ہوگیا، تو راویانِ حدیث کے طبقات مقرر کیے گئے، اور انہیں مختلف طبقات اور درجات میں تقسیم کرکے سند کے حوالے سے کوئی رائے قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کردی گئی، اس سلسلے میں کبار صحابہؓ سے صغار تبع تابعین کے زمانے تک کے راویوں کو بارہ طبقات پر تقسیم کردیا گیا۔ (۲۷)

طبقات متعین کرنے کی افادیت یہ ہے کہ جب کسی راوی کے طبقہ کا تعین ہوگا تو اس کے زمانے کا تعین آسان ہوجائے گا۔ زمانہ معلوم ہونے سے اس بات کے طے کرنے میں آسانی ہوجائے گی کہ اس راوی نے جس طبقے کے راوی سے روایت کی، وہ روایت ممکن بھی ہے کہ نہیں؟

اس کے بعد سند کے علم کو مزید ترقی دینے کے لیے علمِ رجال کا فن وجود میں آیا، محدثین نے

ہزاروں راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی، حصولِ علم اور طلبِ علم کی ہمہ معلومات مرتب کردیں، ثقہ اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے ان کا فرق بتادیا، ان کے درجات بناکر سند کی چھان بین آسان کردی، سند کی بنیاد پر حدیث کو پرکھنے اور قبول کرنے کے لیے اصول اور ضوابط مقرر کیے، جو اُصولِ حدیث کے نام سے معروف ہیں۔

علمِ رجال کی تدوین کی وجہ یہ تھی کہ علمِ اسناد اور علمِ رجال کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ علمِ اسناد اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب کہ رجال کی تفصیلات سامنے ہوں، اس لیے کہ حدیث کے خارجی نقد کی بنیاد علمِ روایت پر ہے، علمِ روایت کی اساس سند پر ہے اور سند کی اساس رجال پر ہے، رجال کی بنیاد پر حدیث کی سند کا تعین ہوگا اور سند کی بنیاد پر حدیث کے خارجی نقد پر بات ہوگی، جس کے نتیجے میں حدیث کا درجہ معلوم ہوگا۔ (۲۸)

علمِ رجال میں پھر علم جرح وتعدیل جو علمِ رجال کا ایک اہم شعبہ ہے، اس کا علم اسناد کے ساتھ نہایت مضبوط تعلق ہے، اس لیے کہ سند کے رجال سے متعلق عموماً دو پہلو زیر بحث آتے ہیں:

ا:.....ایک پہلو خود رجال کے بارے میں معلومات، ان کی شخصیت، کردار اور ان کی ذات سے متعلق امور، جیسے: ان کے نام، کنیت، نسبت اور پیدائش ووفات کی تفصیلات، اور ان کے اساتذہ، تلامذہ اور طبقہ ودرجہ کا تعین ہے، یہ علمِ رجال کا عام پہلو ہے۔

۲:.....دوسرا پہلو سند کے کسی راویِ حدیث کے قابلِ قبول یا ناقابلِ قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول وقواعد، اور ان اصول وقواعد کی روشنی میں بالآخر کسی راوی کے قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس کو علمِ جرح وتعدیل کہا جاتا ہے۔

اسناد کی روایت اور مسلمانوں کی خصوصیت

احادیثِ رسول (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق محدثین کی احتیاط اور اہتمام کا مذکورہ بالا طرزِ عمل جو اسناد کے مطالبے کی شکل اختیار کرگیا، اس نے مسلمانوں میں احتیاط کا وہ ذوق پیدا کیا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے علمی مزاج کا حصہ بن گیا، اور یہ اُن کی فطرتِ ثانیہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔

مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علمِ حدیث، بلکہ تمام علوم وفنون میں سند کی روایت رواج پذیر ہوگئی، چنانچہ تمام تفسیری روایات، سیرت ومغازی کا ہر ہر واقعہ، قراءات کا ایک ایک طریق، اور فقہ کا ایک ایک جزئیہ سند کے ساتھ محفوظ ہے۔ اور یہ طرزِ عمل علومِ دینیہ کے ساتھ ہی خاص نہ رہا، بلکہ ادب، شعر، بلاغت، صرف، نحو اور لغت سب کی سندیں محفوظ ہیں۔ سند کی مذکورہ روایت صرف مسلمانوں کی

خصوصیت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو نوازا ہے، کسی اور قوم کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں ۔

خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) امام محمد بن حاتمؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اسناد کے اعزاز سے نوازا ہے، پہلے کی قدیم یا جدید، کسی امت کے ہاں یہ خصوصیت نہیں، ان کے ہاں وہ صحیفے ہیں جن میں انہوں نے اپنی باتیں ملائی ہیں، اور اپنی باتوں کو تورات وانجیل کے کلام سے جدا کرنے کا ان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ۔‘‘(۲۹)

علامہ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) نے بھی ’’الفصل في الملل والأهواء والنحل ‘‘میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

’’کسی قابلِ اعتماد راوی کا اپنے ہی جیسے راوی سے بات نقل کرتے ہوئے آپ ﷺ تک پہنچانا، جس میں مذکورہ راوی اپنے استاذ کا نام اور نسب بھی بتائے، دونوں کی ذات، صفات، زمانہ اور مکان بھی متعین ہوں، راویوں کی راست بازی اور سچائی بھی نمایاں ہو، یہ تنہا مسلمانوں کی خصوصیت ہے ۔‘‘(۳۰)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) ’’منهاج السنة‘‘ میں رقم طراز ہیں:

’’علمِ اسناد اور علمِ روایت - جس کی حیثیت علمِ درایت کے لیے زینے کی ہے - اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی خصوصیت بنائی ہے، اس کے برعکس اہلِ کتاب اور اس اُمت کے راہ سے بھٹکے ہوئے بدعتی فرقوں کے ہاں نقل کرنے کے لیے اسناد کا کوئی پیمانہ نہیں ۔‘‘(۳۱)

اسناد صرف اہلِ اسلام اور اہلِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، جس سے وہ صحیح، غلط اور سیدھے ٹیڑھے کا فرق کرتے ہیں ۔ اس سے زیادہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۸ھ) کی اظہار الحق میں ہے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک پوری فصل قائم فرمائی (۳۲) کہ اہلِ کتاب کے ساتھ عہدِ جدید اور عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند نہیں ۔ موصوف توریت سے لے کر اناجیلِ مشہورہ تک کی ساری کتابوں پر انتہائی تفصیل کے ساتھ (۵۹) صفحات پر مشتمل کلام کرنے کے بعد اس پوری بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

’’مذکورہ تفصیل سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اہلِ کتاب کے پاس نہ عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند ہے اور نہ عہدِ جدید کی ۔‘‘(۳۳)

سند کے فوائد

۱:.....سند کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ راوی کا نام رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے

والوں کے ساتھ ہمیشہ پیوستہ رہتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آدمی کی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

۲:.....مطابع کی ایجاد سے پہلے سند کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ راوی کو گزشتہ تمام شیوخ کی یافت و دریافت اور تحقیقات کی نشر و اشاعت کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔

۳:.....سند کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سند جعل سازی سے حفاظت کی ضامن ہے۔ سند سے جعل سازی کی قلعی کھل جاتی ہے، اور سند اس بات کا شاہد ہے کہ اس کے تمام راوی قابلِ اعتماد ہیں۔ (۳۴)

حواشی وحوالہ جات

۱:- القاموس المحیط: ۳۷، ولسان العرب: ۳/ ۱۲۱

۲:- المنہل الروی: ۱/ ۸۱، الخلاصۃ فی أصول الحدیث للطیبی: ۳۳

۳:- نزہۃ النظر للحافظ ابن حجر: ۳۴، وفتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۱۴

۴:- صحیح بخاری، کتاب الایمان: ۱/ ۱۲

۵:- توجیہ النظر لطاہر الجزائری: ۲۵، والإسناد من الدین لأبی غدۃ: ۱۴

۶:- جیسے کہتے ہیں: ''هذا الطريق مروي من طريق الثوري: أي من سنده'' المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۷:- ''والوجه'' جیسا محدثین کا قول: ''هٰذا الحديث حسن غريب من هٰذا الوجه.'' اسی آخری تعبیر کا استعمال امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''جامع ترمذی'' میں زیادہ کیا ہے۔ المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۸:- ادب الاملاء والاستملاء: ۷

۹:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۲

۱۰:- معرفۃ علوم الحدیث، حاکم، ص: ۶

۱۱:- مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۱۸، الاسناد من الدین: ۳۰

۱۲:- محاضراتِ حدیث: ۲۱۷، ڈاکٹر محمود احمد غازی

۱۳:- فہرس الفہارس والأثبات للکتانی: ۱/ ۸۰

۱۴:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵، وابن عدی: الکامل ۱/ ۳۹، وابن حبان: المجروحین من المحدثین: ۲/ ۲۷

۱۵:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۳

۱۶:- شرح علل الترمذی لابن رجب: ۱/ ۲۵۵

۱۷:- ابن عدی: ۱/ ۱۵۷

۱۸:- مقدمۃ ابن الصلاح: ۱/ ۳۸

۱۹:- ابن عدی: الکامل: ۱/ ۵۱

۲۰:- مصدرِ سابق: ۱/ ۵۱

۲۱:- المحدث الفاصل: ۱/ ۱۲، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ: ۵۰

۲۲:- حاکم معرفۃ علوم الحدیث: ۶

۲۳:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵

۲۴:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۳

۲۵:- ابن حبان: المجروحین من المحدثین: ۱/ ۹

۲۶:- الاجوبۃ الفاضلۃ: ۱۵۰

۲۷:- محاضراتِ حدیث: ۲۲۳

۲۸:- محاضراتِ حدیث: ۱۸۳-۱۸۵

۲۹:- شرف أصحاب الحدیث: ۴۰۔ خطیب بغدادی، وفتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۳۳۱

۳۰:- الفصل فی الملل والأہواء والنِّحل لأبی محمد بن حزم: ۲/ ۸۲-۸۳

۳۱:- مجموعہ فتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیۃ: ۱/ ۹، وأیضاً: منہاج السنۃ النبویۃ لہ: ۷/ ۳۷

۳۲:- اظہار الحق: ۱/ ۱۶۷-۱۰۹

۳۳:- اظہار الحق: ۱/ ۶۲۵-۴۲۵

۳۴:- مقدمۃ فوائد جامعۃ شرح عجالۃ نافعۃ: ۵۵-۵۶، مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی رحمہ اللہ

’’صحیح بخاری‘‘ کے ’’تراجمِ ابواب‘‘ سے متعلق چند اُصول

افاداتِ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
(تیسری اور آخری قسط)

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذ ورفیق شعبہ مجلس دعوت وتحقیق، جامعہ

فصلِ دوم: ’’تراجم ابواب کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استدلال

علامہ سندھی ودیگر محققین رحمہم اللہ کی تصریح اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے بیان کے مطابق صحیح بخاری کے تراجم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اکثر وبیشتر تراجم، دعوے کی صورت میں ہیں۔

(۲) بعض تراجم، حدیث کی تشریح اور اس کی مراد کی وضاحت کرتے ہیں، مثلاً:

۱:- کسی عام حدیث پر خاص ترجمہ قائم کرکے اس نکتے پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیثِ عام کی مراد خاص ہے۔

۲:- کسی خاص حدیث پر عام ترجمہ لاکر اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ خصوصیت معتبر نہیں ہے، جیسے: ’’باب من برک عند الإمام أو المحدّث‘‘ (۱)

۳:- مقید ترجمہ کے تحت مطلق حدیث لاکر اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حدیث کا اطلاق مقید ہے، جیسے: ’’باب الصُفرة والكُدرة بعد الطهر ‘‘(كذا) (۲) اور ’’باب لایبصُق عن یمینہٖ في الصلاة‘‘. (۳)

۴:- کبھی مطلق ترجمہ کے تحت مقید حدیث لاکر اس حدیث کے اطلاق کی جانب اشارہ کرتے ہیں، جیسے: ’’باب الجمع في السفر ‘‘ کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں، جو ’’جدّ به السیر ‘‘ کی قید کے ساتھ مقید ہے (۴) اور ’’باب لیبصق عن یسار ‘‘ کے تحت ایسی حدیث لائے ہیں جو نماز

کے ساتھ مقید ہے (۵)، اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ نماز کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ بائیں جانب تھوکنا ہر حال میں مطلوب ہے۔

۵:- کبھی حدیث میں اجمال ہوتا ہے اور امام بخاریؒ ترجمہ کے ذریعہ تفسیر وتفصیل فرماتے ہیں۔

دعووں پر مشتمل تراجم کی بھی دو قسمیں ہیں: ظاہر اور خفی۔

(۱) ''ظاہر تراجم'' یعنی وہ تراجم جو حدیث سے صراحۃً ثابت ہوں، مثلاً: حدیث کے الفاظ ہی سے ترجمہ قائم کرکے یہ بتانا کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہے یا اس مسئلہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

(۲) ''خفی تراجم'' کے اثبات کے کئی طریقے ہیں:

۱:- کبھی ترجمہ کو (باب کے تحت حدیث کے بجائے) اپنی کتاب میں درج حدیث کے کسی اور طریق میں وارد الفاظ سے ثابت کرتے ہیں، جیسے:

۱:...... ''**باب الفُتیا وهو واقف على ظهر الدابة**'' (ص:۱۸) کے تحت مذکور حدیث میں سواری پر وقوف کا ذکر نہیں ہے (۶)، لیکن ''**كتاب الحج**'' میں (اسی حدیث کے دوسرے طریق میں) اس کا ذکر ہے اور اسی کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ (۷)

۲:...... ''**باب السمر في العلم**'' کے تحت حدیث میں ''سمر'' (عشا کے بعد باہمی گفتگو) کا ذکر نہیں (۸)، لیکن ''**كتاب التفسير**'' میں (اسی حدیث کے دوسرے طریق میں) ''سمر'' کا ذکر ہے۔ (۹)

۳:...... ''**باب التقاضي والملازمة في المسجد**'' کے تحت حدیث میں ملازمت (مقروض کا پیچھا کرنا) کا ذکر نہیں (۱۰)، لیکن ''**كتاب الخصومات**'' (ص:۳۲۷) میں (اسی روایت کے دوسرے طریق میں) ''ملازمت'' کا ذکر ہے (۱۱)، اس نوع کے مزید بہت سے نظائر موجود ہیں۔

۲:- کبھی دیگر محدثین کے ہاں حدیث کے بعض طرق کی جانب اشارہ کرتے ہیں، جیسے: ''**باب التقاط الخِرَق والقَذَى إلخ (كذا)**''(۱۲) کے ترجمہ کو دیگر محدثین کی روایات سے ثابت کیا ہے اور ''**باب دلك المرأة نفسها**'' (۱۳) کے عنوان میں ''صحیح مسلم'' کی حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (۱۴)

۳:- کبھی ترکِ استفسار سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ''**باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة**'' کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر لائے ہیں کہ انہوں نے گرم پانی سے اور نصرانی عورت کے گھر سے وضو فرمایا (۱۵)، اس اثر سے ترجمہ پر ترکِ استفسار کی بنا پر استدلال کیا ہے، اس نکتے کی جانب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متوجہ فرمایا ہے۔ (۱۶)

۴:- کبھی باب میں درج مجموعی احادیث سے ترجمہ پر استدلال فرماتے ہیں، جیسے: بعض شراح کے

نزدیک (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے) ’’باب بدء الوحي ‘‘ [17] میں یہی اسلوب اپنایا ہے، اسی طرح ’’باب الفُتيا بإشارة اليد والرأس ‘‘ (ص:۱۸) [18] میں بھی یہی اسلوب ہے۔ امام موصوف کی یہ عادت معروف ہے۔

۵:- کبھی عموم سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ’’باب السؤال والفُتيا عند رمي الجِمار ‘‘ (ص:۲۳) کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں ’عند الجمرة ‘‘ کے الفاظ ہیں [19]، یہ الفاظ حالتِ رمی وغیر رمی دونوں کے لیے عام ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شراح نے اس نکتے کی جانب توجہ دلائی ہے۔ [20]

۶:- کبھی اصل سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ران کے ستر نہ ہونے پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ’’وفخذہ علی فخذي ‘‘ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی) [21]، حالانکہ اس موقع پر درمیان میں کپڑا حائل ہونے کا احتمال ہے، لیکن ’فخذ ‘‘ میں اصل ’عضو ہے۔ اسی سے امام موصوف نے استدلال فرمایا ہے۔

۷:- اسی طرح اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے بھی استدلال فرماتے ہیں، جیسے اگلی سطور میں آپ کے سامنے آ رہا ہے۔

۸:- کبھی ’’اولویت‘‘ (اولیٰ ہونے) سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ’’باب التيمّن في الوضوء والغسل ‘‘ میں غسلِ میت کے متعلق حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں: ’’ابدأن بميامنها ومواضع الوضوء منه ‘‘ (اس خاتون کے دائیں جانب اور اس کے اعضاء وضو سے ابتدا کرو) [22]، اس حدیث سے زندہ کے لیے بطریقِ اولیٰ دائیں جانب سے ابتدا کو ثابت کیا ہے، اس لیے کہ یہی اصل ہے، اسی طرح ’’باب البول قائمًا وقاعدًا ‘‘ کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کہ انہوں نے کھڑے ہوکر قضائے حاجت فرمائی [23] اور اس روایت سے بیٹھ کر قضائے حاجت کو بطریقِ اولیٰ ثابت کیا ہے۔

۹:- کبھی حدیث کے کسی ایک محتمل سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ’’باب العَلَم في المُصلّٰی ‘‘، [24] کے تحت حدیث میں مذکور عَلَم میں دو احتمال ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے زمانے) کی عید میں تھا یا آپ کے بعد، امام موصوف نے پہلے احتمال سے استدلال فرمایا ہے، یہی طریقۂ استدلال ’’باب الرجل يأتمّ بالإمام ‘‘، [25] میں بھی اپنایا ہے۔

۱۰:- کبھی التزام (دلالتِ التزامی) سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ’’باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان ‘‘ [26] کے تحت انسانی بالوں کے پاک ہونے کو (حدیث کی) دلالتِ التزامی سے

ثابت کیا ہے، اس لیے کہ جب اس پانی سے وضو جائز ہے تو ثابت ہوا کہ بال پاک ہیں، ورنہ وضو جائز نہ ہوتا۔

۱۱:- کبھی حدیث کے ظاہر سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ''باب الوضوء من النوم'' (۲۷) اور ''باب الوضوء مرتین'' (۲۸)۔

۱۲:- کبھی عادت سے استدلال فرماتے ہیں، جیسے: ''باب التماس الوَضوء'' (۲۹) کے تحت، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ''امام بخاریؒ کا مقصود یہ ہے کہ صحابہؓ کی عادت (وضو کے لیے) پانی تلاش کرنے کی تھی۔'' (۳۰)

''باب طول القیام في صلاۃ اللیل'' کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں: ''إذا قام للتھجّد یشوص فاہ بالسّواک'' (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے مانجھتے تھے) (۳۱)، علامہ ابن رشید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام بخاریؒ اس روایت کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول ''إذا قام للتھجّد'' کی بنا پر اس باب کے تحت لائے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت ومعمول کے لیے بیدار ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت' باب کے تحت مذکور دوسری حدیث سے ثابت ہوچکی ہے۔ (۳۲)

۱۳:- کبھی مطلق حدیث سے مقید ترجمہ پر استدلال کرتے ہیں، اس لیے کہ دوسرے صحابی کی حدیث میں قید وارد ہوتی ہے تو گویا امام بخاریؒ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو ایک حدیث قرار دیتے ہیں، جیسے: ''باب وجوب الزکاۃ'' میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''المفروضۃ'' کی قید نہیں ہے، بلکہ یہ قید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (۳۳)

۱۴:- بسا اوقات (بعض تراجم کے متعلق) شراح ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس سے استدلال فرمایا ہے، لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ (۳۴)

استدلال کی مذکورہ انواع کا خلاصہ

۱:- اپنے پاس موجود کسی حدیث کی جانب اشارہ مقصود ہو، جیسے: ''باب التقاضي والملازمۃ في المسجد'' (۳۵)

۲:- دیگر محدثین کی کسی حدیث کی جانب اشارہ مقصود ہو، جیسے: ''باب کنس المسجد والتقاط القَذَی والخِرَق والعِیدان'' (۳۶)

۳:- ترکِ استفسار سے استدلال، جیسے: ''باب وضوء الرجل مع امرأتہٖ وفضل وضوء

المرأة'' (۳۷)

۴:- مجموعی روایات سے استدلال، جیسے: ''باب بدء الوحي'' (۳۸) اور ''باب من أجاب الفُتيا بإشارة اليد والرأس'' (۳۹)

۵:- عموم سے استدلال، جیسے: ''باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار'' کے تحت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں ''وهو عند الجمرة'' کے الفاظ ہیں۔ (۴۰)

۶:- اصل سے استدلال، جیسے: ''باب ما جاء في الفخذ'' کے تحت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''فخذهٗ على فخذي'' سے استدلال۔ (۴۱)

۷:- اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے استدلال۔

۸:- ''اولویت'' (اولیٰ ہونے) سے استدلال، جیسے: ''باب البول قائمًا وقاعدًا'' (۴۲) میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''اولیٰ'' سے قعود ثابت کیا ہے۔ (۴۳) اور ''باب التيمّن في الوضوء والغسل'' میں غسلِ میت کے متعلق حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں۔ (۴۴)

۹:- ہر محتمل سے استدلال، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام موصوف کی کتاب ''صحیح بخاری'' میں اس نوع کے تراجم بہت سے ہیں، جیسے: ''باب العَلَم في المصلّٰى'' (۴۵) کے تحت روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا احتمال بھی ہے اور آپ کی وفات کے بعد کا بھی احتمال ہے، اسی طرح ''باب الرجل يأتمّ بالإمام ويأتمّ الناس بالمأموم'' (ص:۹۹) (۴۶)

۱۰:- دستیاب الفاظ (ظاہرِ حدیث) سے استدلال، جیسے: ''باب الوضوء مرتين'' (۴۷) اور ''باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة'' (ص:۴۰) (۴۸)

۱۱:- ایسی دو حدیثوں سے استدلال، جن میں سے ایک مقید اور دوسری مطلق ہو، امام موصوف انہیں ایک ہی حدیث قرار دیتے ہیں اور پہلی حدیث کی قید کو دوسری حدیث میں ملحوظ رکھتے ہیں، جیسے: ''كتاب الزكاة'' میں ''باب وجوب الزكاة'' (ص:۱۸۷) کے تحت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں ''تؤتي الزكاة'' کے الفاظ ہیں (اور ''المفروضة'' کی قید نہیں ہے) اسی باب کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''المفروضة'' کی قید وارد ہے۔ (۴۹)

۱۲:- التزام (دلالتِ التزامی) سے استدلال، جیسے: ''باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان'' (۵۰) میں انسان کے بالوں کی طہارت کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ''دلالتِ التزامی'' سے ثابت کیا ہے۔ (ص:۲۶) (۵۱)

۱۳:-عادت سے استدلال، جیسے: ''**باب طول القيام في صلاة الليل**'' کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں ''**إذا قام من الليل**'' کے الفاظ ہیں۔ (۵۲) علامہ ابن رشید رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد ''قیامِ عادی'' ہے۔ (۵۳)

۱۴:- قیاس سے استدلال، جومحل نظر ہے، بلکہ میرے نزدیک یہ استدلال دلالۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص یا عموم یا احتمال یا اولویت سے ہوتا ہے۔ (۵۴)

والله تعالى أعلم وعلمهٗ أتمّ !

حواشی وحوالہ جات

۱:- كتاب العلم، باب من برک على ركبتيه عند الإمام أو المحدث، (۱/۲۰)
۲:- كتاب الحيض، باب الصفرة والكدرة في غير أيام الحيض، (۱/۴۷)
۳:- كتاب الصلاة، باب لايبصق عن يمينه في الصلاة، (۱/۵۹)
۴:- أبواب تقصير الصلاة، باب الجمع في السفر بين المغرب والعشاء، (۱/۱۴۹)
۵:- كتاب الصلاة، باب ليبصق عن يساره في الصلاة، (۱/۵۹)
۶:- كتاب العلم، باب الفتيا وهو واقف على ظهر الدابة أو غيرها، (۱/۱۸)
۷:- كتاب المناسک، باب الفتيا على الدابة عند الجمرة، (۱/۲۳۴)
۸:- كتاب العلم، باب السمرفي العلم، (۱/۲۲)
۹:- كتاب التفسير، سورة آل عمران، باب : إن في خلق السمٰوٰت والأرض، (۲/۶۵۷)
۱۰:- كتاب الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، (۱/۶۵)
۱۱:- في الخصومات، باب في الملازمة، (۱/۱۲۷)
۱۲:- كتاب الصلاة، باب كنس المسجد والتقاط الخرق والقذى ألخ، (۱/۶۵)
۱۳:- كتاب الحيض، باب دلک المرأة نفسها إلخ، (۱/۴۵)
۱۴:- صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب استحباب المغتسلة من الحيض فرصة إلخ، (۱/۱۵۰)
۱۵:- كتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة، (۱/۳۲)
۱۶:- فتح الباري، كتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء الرمأة، (۱/۲۹۹)
۱۷:- باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، (۱/۲-۵)
۱۸:- كتاب العلم، باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس، (۱/۱۸)
۱۹:- كتاب العلم، باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار، (۱/۱۲۳)
۲۰:- فتح الباري، كتاب العلم، باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار، (۱/۲۲۳)
۲۱:- كتاب الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، (۱/۵۳)
۲۲:- كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل، (۱/۲۸-۲۹)
۲۳:- كتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا، (۱/۳۵)
۲۴:- كتاب العيدين، باب العلم بالمصلى، (۱/۱۳۳)
۲۵:- كتاب الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام إلخ، (۱/۹۹)
۲۶:- كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، (۱/۲۹)
۲۷:- كتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم إلخ، (۱/۳۴)
۲۸:- كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين مرتين، (۱/۲۷)
۲۹:- كتاب الوضوء، باب التماس الوضوء إلخ، (۱/۲۹)

۳۰:- شرح تراجم أبواب البخاري، كتاب الوضوء، باب التماس الوضوء، ص:۹۳، دار التقویٰ، دمشق، شام ۱۴۳۹ھ

۳۱:- كتاب التهجد، باب طول القيام في صلاة الليل، (۱/۱۵۲-۱۵۳)

۳۲:- فتح الباري، كتاب التهجد، باب طول القيام في صلاة الليل، (۳/۲۰)

۳۳:- كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوة، (۱/۱۸۷)

۳۴:- مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’حضرت امام بخاریؒ عام علماء کی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اجماعِ امت کو تو حجت مانتے ہیں، رہی یہ بات کہ وہ قیاس کو حجت مانتے ہیں یا نہیں؟ عامۃً شراحِ کرام: حضرت علامہ مہلب، علامہ ابن التّین، علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی وغیرہ حضرات کی رائے ہے کہ امام بخاریؒ قیاس کو حجت مانتے ہیں، اگر قیاس صحیح ہو اور اس کے اوضاع اور طریقوں پر استعمال کیا گیا ہو اور نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس نہ کیا گیا ہو، اور اگر نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس کو استعمال کیا گیا ہو، یا قیاس کو اس کے طریقوں پر استعمال نہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ علتِ جامعہ کو زبردستی تلاش کیا گیا ہو تو حضرت امام بخاریؒ قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں، لیکن علامہ داؤدیؒ اور علامہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں، یہی میرا اپنا بھی خیال ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے قیاس کے متعلق جتنے تراجم منعقد فرمائے ہیں، سب سے اس کی مذمت ہی نکلتی ہے۔‘‘ (الفيض الجاري في دروس البخاري، آخری جلد، ص:۲۶۰، مکتبۃ القلم، سورت، گجرات، انڈیا، ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۷ء)

۳۵:- كتاب الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، (۱/۶۵)

۳۶:- كتاب الصلاة، باب كنس المسجد و التقاط الخرق والقذى والعيدان، (۱/۶۵)

۳۷:- كتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته و فضل وضوء المرأة، (۱/۳۲)

۳۸:- باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، (۲-۵)

۳۹:- كتاب العلم، باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس، (۱/۱۸-۱۹)

۴۰:- كتاب العلم، باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار، (۱/۲۳-۲۴)

۴۱:- كتاب الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، (۱/۵۳)

۴۲:- كتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا، (۱/۳۵)

۴۳:- شرح تراجم أبواب البخاري، كتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا، ص:۱۰۳

۴۴:- كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل، (۱/۲۸-۲۹)

۴۵:- كتاب العيدين، باب العلم بالمصلي، (۱/۱۳۳)

۴۶:- كتاب الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم، (۱/۹۹)

۴۷:- كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين، (۱/۲۷)

۴۸:- كتاب الغسل، باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة، (۱/۴۰)

۴۹:- كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوة، (۱/۱۸۷)

۵۰:- كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، (۱/۲۹)

۵۱:- شرح تراجم أبواب البخاري، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، ص:۹۳.

۵۲:- كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، (۱/۲۹)

۵۳:- فتح الباري، كتاب التهجد، باب طول القيام في صلاة الليل، (۳/۲۰)

۵۴:- ملاحظہ

دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست

جناب محمد زبیر صاحب کے والدِ محترم جناب محمد یعقوب مصطفیٰ صاحبؒ کا گزشتہ دنوں کراچی میں انتقال ہوگیا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون، اللّٰهم اغفر لهٗ وارحمه وعافه واعف عنه، آمين. قارئینِ بینات سے اُن کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

تقریظ، تنقید اور تبصرہ نگاری پر ایک نظر

مولانا محمد جمیل احمد
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

(پہلی قسط)

تحریر وتصنیف تاریخی لحاظ سے بود وباش کے مختلف سانچوں میں ڈھلتی رہی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ تحریر وتصنیف چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں اور کھجور کی چھالوں پر ہوتی تھی، چنانچہ تصنیف محض جمع ووضع کا نام تھا، تدوین وترتیب کے مستقل اصول موجود نہ تھے۔ موجودہ دور میں رموزِ تحریر فنی اور تحقیقی اعتبار سے تہذیب وتنقیح کے آسمانِ عروج کو چھو چکا ہے، چنانچہ یہ بات مسلم ہے کہ متقدمین کے ہاں آزاد تحریروں میں عموماً ابہام کی جن مشکل صورتوں سے قاری کو دوچار ہونا پڑتا تھا، زمانہ کی تیز رفتاری اور سہولت پسندی کے تقاضے کافی حد تک اس کی تحلیل کر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن مضامین کو زمانۂ قدیم میں محض چند سطور میں ادا کر دیا جاتا تھا، اب انتہائی بسط ووسعت کے ساتھ کئی کئی صفحات بھی کما حقہ اس کی وضاحت نہیں کر پاتے۔ پھر تالیفِ کتاب بھی ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ذیلی طور پر بے شمار جزئیات کا مرقع ہوتی ہے۔ خطۃ البحث سے لے کر خاتمۃ الکتاب اور وضعِ فہارس تک اور تقدمۃ الکتاب، مقدمۃ الناشر، مقدمۃ المحقق، مقدمۃ المصنف، تبصرۃ المعاصرین، نقد بر کتاب، تحقیقِ کتاب، تخریجِ کتاب، تعارفِ کتاب، تقریظِ کتاب نثر یا شعر کی صورت میں، اسی طرح پسند فرمودہ، عرضِ حال یا بہ دعا فلاں جیسے بے شمار عنوانات، عربی، فارسی اور اُردو کی حالیہ کتب میں ہر پڑھنے والے کی نظر سے ضرور گزرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں تقریظ الکتاب سے متعلق چند اہم مباحث پیشِ خدمت ہیں:

لفظِ تقریظ کی حقیقت

یہ ''تقریظ الأدیم'' سے ماخوذ ہے، یعنی کھال کی دباغت (صفائی) میں حد درجہ مبالغہ کرنا اور ''تقریظ الکتاب'' کا معنی ہے: صاحبِ کتاب اور موادِ کتاب کی خوبیاں بیان کرنا، یہاں تک کہ

اس میں مبالغہ پیدا ہو جائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''قرّظ الرجلَ: أي مدحه و أثنٰى عليه، والتقريظ مدح الإنسان وهو حي''، اس کی ضد ''تابين'' ہے: ''إذا مدحهٔ ميتا''، یعنی مرنے کے بعد کسی کی توصیف بیان کرنا، ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فلان يقرظ صاحبهٔ: إذا مدحهٔ بباطل أو حق.''

لفظ ''تقريض'' جو ضاد کے ساتھ ہے، مشترک لفظ ہے، مدح اور ذم دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''قد قرضه: إذا مدحه أو ذمه.'' (لسان العرب، ج:، ص:، مادہ: قرظ، ط: داراحیاء التراث)

تقریظ کا اصطلاحی معنی

دکتور محمد التونجی تقریظ کا اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سبغ الثناء على عمل أدبي أو غير أدبي أو مدح لشخص على ما قام به أمام حشد من الحضور.'' (المعجم المفصل، ج:۱، ص:۲۷۳)

''کسی ادبی یا غیر ادبی کارنامے پر کسی کی تعریف میں حد درجہ مبالغہ کرنا یا جم غفیر کے روبرو کسی کی بہترین کارکردگی پر اس کو سراہنا تقریظ کہلاتا ہے۔''

اس کے بعد ''تقريظ الكتاب'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''''تقريظ الكتاب: كتابة جملة سطور في مطلع الكتاب أو في خاتمته تشمل الثناء على مضمون الكتاب واهميته و الدوافع إلى طبعه أو تاليفه ويكتبها عادةً المؤلف باسم الناشر أو غيرہٖ بأسلوب موجز فيه إثارة دعائية لاقتناء الكتاب.''

(المعجم المفصل فی الادب)

''کتاب کے شروع یا خاتمۃ الکتاب کے پاس چند تعریفی کلمات لکھنا جو مضمونِ کتاب اور اس کی اہمیت پر مشتمل ہوں، نیز یہ بات بھی لکھنا کہ وہ کون سے اسباب تھے جس نے کتاب کی طباعت یا تالیفِ کتاب کی دعوت دی، عموماً اس قسم کے کلمات مؤلف، ناشرِ کتاب یا کسی اور شخصیت کے نام سے معنون کرتا ہے جو انتہائی مختصر ہوتے ہیں اور اس میں حصولِ کتاب کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔''

تقریظ کی اقسام

متاخرین کے ہاں ''تقريظ الكتاب'' کی بنیادی تین قسمیں ہیں:

۱:-تقريظ الكتاب بمدح المؤلف :........اس قسم کی تقریظ میں صاحبِ کتاب کی علمی شان اور عظمت کو بیان کرنے کے ساتھ ضمنی طور پر کتاب کے محاسن اور خصوصیات کو ذکر کیا جاتا ہے، معائب کو ذکر کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے، لیکن اہلِ تحقیق کے ہاں اس قسم کی تقریظ قابلِ تعریف نہیں ہے۔

۲:-**تقریظ بطرز مقدمۃ المؤلف** :.......کتاب کی ابتدا میں ایک طویل مقدمہ ذکر کرنا جس میں کتاب سے متعلق اہم نکات اور موضوع و اغراض کتاب سے متعلق اہم عرض داشت پیش کی جائیں، اس قسم کی تقریظ طوالت کی بنیاد پر مقدمہ کتاب کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔

۳:-**تقریظ المترجم و المحقق و الشارح ، قائم مقام مقدمۃ الکتاب** :.......اس قسم کا مقدمہ عموماً کسی کتاب کی تشریح، تحقیق یا ترجمہ کرتے وقت شارح کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے، جس میں کتاب کی خصوصیات اور مدح شامل ہوتی ہے۔ (دانش نامہ بزرگ اسلامی، مرکز دائرہ اسلامی، برگرفتہ از مقالہ تقریظ، ج:۱۴،ص:۶۰۳۱)

تقریظ کی ضد تنقید ہے۔

تنقید کا مفہوم

تنقید نقد سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا اور اصطلاحاً کسی تعلیمی یا علمی مسئلے یا کتاب پر اس انداز سے غور کرنا کہ اس کتاب کے قوی اور کمزور پہلو نمایاں ہوجائیں۔ (اصولِ تحقیق:۹۲، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

تقریظ اور تنقید میں فرق

تقریظ میں بنیادی طور پر کسی کتاب اور صاحبِ کتاب کے محاسن بیان کیے جاتے ہیں اور معائب کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے، جب کہ تنقید میں مقصود معائب کا ذکر ہوتا ہے۔ (لغۃ العرب: انستاس ماری کرملی، ص:۵۰۴۱، بغداد)

تنقید کی نشاۃ

ویسے تو نفسِ تنقید کی بنیاد خیر القرون میں بھی ملتی ہے جس کو محدثین جرح سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن باقاعدہ تنقیدِ کتاب کے لیے بنیادی مآخذ درج ذیل ہیں:

۱:-صحیفہ یرموکیہ

یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ہاتھ لگا تھا، لیکن چونکہ اس کا حوالہ مستند نہیں تھا، اس لیے تابعین نے اس پر اعتماد نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

’’رابعها : أن عبد اللّٰه كان قد ظفر في الشام بحمل جمل من كتب أهل الكتاب فكان ينظر فيها ويحدث منها فتجنب الأخذ عنه لذٰلک كثير من أئمة التابعين، واللّٰه أعلم۔‘‘ (فتح الباری، ج:۱،ص:۲۰۷، ط: دار المعرفۃ، بیروت)

۲:-اسماء المدلسین (مؤلفہ: شیخ حسن بن علی الکرابیسی، التوفی:۲۴۲ھ)

تدلیس فی الحدیث کے موضوع پر لکھی جانے والی سولہ مشہور کتب میں سے تاریخی اعتبار سے پہلی باضابطہ کتاب ہے، چونکہ مذکورہ کتاب میں علامہ کرابیسی نے بعض کبار تابعین پر نقد کیا تھا، اس لیے کتاب علماء کرام کے ہاں قابلِ نقض قرار پائی، حافظ ابن رجب حنبلیؒ (التوفی:۷۹۵ھ) شرح علل ترمذی میں اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

’’وقد تسلط كثيرون ممن يطعن في أهل الحديث عليهم بذكر شيء من هٰذه العلل‘‘.................’’قد ذكر كتابه للإمام أحمد فذمه ذما شديدا ، وكذٰلک أنكره عليه أبو ثور وغيره من العلماء.‘‘ (شرح علل ترمذی، ج:۲،ص:۸۹۲-۸۹۳)

’’علامہ کرابیسیؒ نے اپنی کتاب میں محدثین ثقات پر طعن کیا تھا اور جب کسی مجلس میں امام احمد کے ہاں اس کتاب کا تذکرہ کیا گیا تو امام احمدؒ نے اس پر شدید تنقید کی، اسی طرح ابوثور اور دیگر علماء کے ہاں بھی یہ موجبِ نقد قرار پائی۔‘‘

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتبِ تحقیقیہ پر نقد کرنے کا رواج خیر القرون میں عام تھا۔

تنقیدِ کتاب کے لیے سب سے طویل اور وقیع مجموعہ

اس بارے میں سب سے طویل کتاب ’’کتب حذر منها العلماء‘‘ کے نام سے موسوم ہے، مؤلف شیخ ابوعبیدہ مشہور بن حسن بن آل سلمان (معاصر) ہیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ انتہائی مدلل انداز میں مختلف موضوعات سے متعلق تقریباً ۱۵۰ کتابوں پر متقدمین کی تنقیدات کو جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود مؤلف نے بھی عصرِ حاضر کی کئی کتابوں پر نقد کیا ہے، خصوصاً محققین احناف کے خلاف انہوں نے خوب زورآور قلم چلایا ہے۔ اگر اس پہلو سے قطع نظر کیا جائے تو کتاب بہت مفید ہے۔

تقریظ کی نشأۃ اور ارتقاء

درایۃ الحدیث کے اس اصول کے تحت کہ ہر وہ چیز جس کی اصل اور سند نہ ہو، وہ ناقص شمار ہوتی ہے۔ (معرفۃ الحدیث:۶)

یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ کیا تقریظ کی کوئی معتبر اصل واساس ہے یا نہیں؟ دورِ حاضر میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ تقریظ اہلِ عجم کی بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے، جو خارج از کار وامورِ زائدہ میں سے ہے، لہٰذا تقریظِ کتاب کے لیے مشائخ واکابر کو آمادہ کرنا اہلِ علم کی شان نہیں، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ تلاش وتفحص کے بعد کئی ایسے شواہد سامنے آئے ہیں جو تقریظِ کتاب کے لیے کم ازکم اصل کی حیثیت اختیار کرسکتے ہیں، ذیل میں اس قسم کے چند شواہد پیشِ خدمت ہیں:

ا:- ظالم بن عمرو ابوالاسود الدؤلی، ان کے متعلق امام احمد العجلیؒ (۲۶۲ھ) ''کتاب الثقات'' میں لکھتے ہیں: ''وهو أول من تكلم في النحو.'' (الثقات: ۸۰۴)

حافظ ذہبیؒ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے تاریخ اسلام اور ابن ندیم نے ''الفهرست'' میں کئی ایک مسند روایتیں ذکر کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم النحو کی باقاعدہ تدوین بھی انہوں نے کی۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''وقد أمره علي بوضع النحو.'' اگلے صفحات میں حافظ ذہبیؒ نے وہ بات ذکر کی ہے جو ہمارا مقصود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''فلما أراه أبو الأسود ما وضع، قال: ما أحسن هذا النحو الذي نحوت و من ثم سمي النحو نحوا.'' (تاریخ اسلام، ج:۲،ص:۳۵۷، دار الغرب)

مندرجہ بالا عبارت کے پیشِ نظر بطور دلیل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابوالاسود الدؤلیؒ کے مدون کردہ نحوی کتابچہ کو دیکھنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی مدح وتحسین فرمائی۔ (اور یہ تقریظ بصورتِ تبصرہ تھی، کیونکہ تبصرہ جب کتاب کے محاسن کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے تو وہ تقریظ بن جاتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آتی ہے) اگر تقریظ' مؤلف اور مؤلف کی خوبی بیان کرنے کا نام ہے تو یہاں دونوں وصف موجود ہیں، تبھی تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ کیا ہی شاہکار طریقہ ہے، چنانچہ یہ حسنِ تالیف کی طرف اشارہ ہے، پھر فرمایا: ''الذي نحوت'' یعنی جس کا ارادہ آپ نے کیا ہے، گویا کہ صاحبِ تالیف کے کمال کی گواہی ہے۔ مذکورہ بالا دلیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خیر القرون میں اگرچہ مروجہ تقریظ کتاب کا وجود نہیں، لیکن کم ازکم تقریظ کے لیے اصل کا پتہ چلتا ہے، جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا تقریظ کے متعلق یہ دعویٰ کہ یہ بھی اہلِ عجم خودساختگی ہے، قابلِ التفات نہیں۔

۲:- امام مالکؒ نے مؤطا کی تصنیف سے فراغت کے بعد اس کی اشاعتِ عام سے پہلے علماء مدینہ کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے اپنی کتاب کو ان کے سامنے پیش کیا، چنانچہ سب نے اس کی تحسین کی، علامہ زرقانیؒ اس کو یوں لکھتے ہیں:

''وروى أبوالحسن بن فهر عن علي بن أحمد الخلنجي: سمعت بعض المشايخ يقول: قال مالك: عرضت كتابي هذا على سبعين فقيها من فقهاء المدينة، فكلهم واطاني، فسميته الموطا.'' (زرقانی، ج:۱،ص:۶۲، ط:مکتبۃ الثقافیۃ)

مذکورہ عبارت اگرچہ تقریظِ کتاب یا تقدیم کتاب کے لیے تصریح نہیں بن سکتی، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ خیر القرون میں مرتب کیا جانے والا حدیث کا صحیح ترین ذخیرہ ہے، اور مجموعہ کے مؤلف

نے کتاب کے متعلق اربابِ علم کی رائے جاننے کے لیے ان کی خدمت میں کتاب پیش کی، تو سب نے اس کی توثیق اور تحسین کی۔ فقہائے مدینہ نے اگرچہ امام مالکؒ کی کتاب کے صحیح ہونے کی تصدیق کی، لیکن یہ حقیقتاً تقریظ ہی تھی اور یہ بات آئندہ آنے والی شرائط سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

۳:- امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی بے نظیر ولاجواب کتاب ''**الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم و سننه و أيامه المعروف ب ''صحيح البخاري**'' جب تکمیل کو پہنچی تو انہوں نے اس کو مشاہیر پر پیش کیا، جس مین امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)، یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ)، علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) جیسی نابغۂ روزگار اور علمی شخصیات شامل ہیں، چنانچہ سب نے اس کو اچھا جانا، مگر چار روایتوں پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا۔ حافظ صاحبؒ اس کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لما ألف البخاري كتاب الصحيح عرضهٗ علٰى أحمد بن حنبل و يحيى بن معين و علي بن المديني و غيرهم فاستحسنوه و شهدوا له بالصحة إلا في أربعة أحاديث.'' (الھدی الساری، ص:۹، دار السلام)

ان ائمہ کا مذکورہ تبصرہ چونکہ مدحیہ تھا، لہٰذا یہ تقریظ کہلایا، پھر یہ تقریظ کی شرائط سے ہم آہنگ بھی ہے کہ کتاب میں موجود مصدقہ مواد کی گواہی دی گئی اور قابلِ نقد پہلو کو اجاگر کیا گیا، جیسا کہ عنقریب آنے والی شرائط سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ **(جاری ہے)**

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

یادِ رفتگان

الحاج حافظ فیروز الدین رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، معروف تبلیغی بزرگ، کراچی اور رائیونڈ کے تبلیغی اجتماعات میں اپنی خوبصورت اور منفرد آواز میں اذان واقامت کا اعزاز رکھنے والے اور جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حضرت مولانا عامر فیروز صاحب کے والدِ محترم، پیرِ طریقت حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنی ؒ کے بھائی، جناب الحاج حافظ فیروز الدین صاحب ؒ ۲۳ اگست ۲۰۲۰ء بروز اتوار کو نمازِ عصر کے وقت اللہ کو پیارے ہوگئے۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی.**

حافظ فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دینی اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ خود بھی حفظِ قرآن کریم کی دولت سے مالا مال تھے۔ بھائی، بیٹے اور بھتیجے کافی تعداد میں حفاظ اور عالم فاضل ہیں، جامعہ معہد الخلیل الاسلامی بہادر آباد کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا یحییٰ مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بھائی تھے۔

حافظ صاحب ؒ کا آبائی وطن دہلی تھا، پھر وہاں سے لدھیانہ منتقل ہوگئے تھے، تقسیمِ ہند کے بعد کم عمری ہی میں اپنے والدین کے ساتھ پاکستان آگئے تھے، کراچی کے ایک محلّہ اسلم روڈ (رنچھوڑ لائن) میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم ہوئے۔ پھر وہاں سے تقریباً ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء میں دہلی مرکنٹائل سوسائٹی میں ریاض مسجد کے سامنے منتقل ہوگئے تھے۔ حافظ صاحب ؒ نے تقریباً آدھا قرآن کریم پاکستان آنے سے پہلے دہلی اور لدھیانہ میں حفظ کرلیا تھا۔ پاکستان ہجرت کے بعد کراچی آکر مسجد باب الاسلام (برنس روڈ) میں حفظ کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ دار العلوم

کراچی' شروع میں نانک واڑہ کے علاقے میں قائم کیا تھا (جو اسلم روڈ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا) جہاں شعبہ حفظ میں حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی پڑھایا کرتے تھے۔ حافظ فیروز الدین صاحبؒ کو وہاں قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ حافظ صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی صاحب کے حفظ کے ہم سبق تھے اور مفتی تقی عثمانی صاحب آپ کو بھائی صاحب کہا کرتے تھے۔ حافظ صاحبؒ کو قرآن کریم بہت اچھی طرح یاد تھا اور آواز بھی بہت اچھی تھی۔ دہلی مرکنٹائل سوسائٹی کی ریاض مسجد جس میں پہلے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ امام ہوتے تھے، اس کے مصلے پر تقریباً ۴۰ سال تک تراویح پڑھائی۔ تقریباً ۲۰ سال تک کراچی ائیر پورٹ، اویس قرنی مسجد بلوچ کالونی سمیت مختلف مساجد میں جمعہ کی تقریر اور خطبہ نماز وغیرہ کی ترتیب تھی۔

تبلیغی اور دینی خدمات

حافظ صاحبؒ کے سابقہ محلّہ اسلم روڈ کی مسجد میں ابتداء ہی سے دعوت وتبلیغ کا کام بزرگوں کی نگرانی میں شروع ہوگیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ، بھائی مشتاق صاحبؒ اور بابو حافظ محمد یوسف صاحبؒ جو پرانے تبلیغی بزرگ تھے، آپ ہی کے محلے میں رہائش پذیر تھے، نیز حاجی عبدالوہاب صاحبؒ اور بھائی امین صاحب بھی کبھی کبھی تشریف لے آتے تھے۔ حافظ صاحب انہی بزرگوں کی زیرِ تربیت نوجوانی میں ہی دعوت وتبلیغ کے کام سے جڑ گئے، اور تادمِ آخر اسی مبارک کام سے جڑے رہے۔ کراچی کے تبلیغی اجتماعات اور مدنی مسجد کے شبِ جمعہ میں آپ کا منفرد طرزِ اقامت مشہور ہے۔ حافظ صاحبؒ کو دعوت وتبلیغ اور علماء کی صحبت اور دینی کتابوں کی اشاعت کا والہانہ جذبہ تھا۔ انہوں نے دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں مشرقی پاکستان میں کافی وقت گزارا اور نظام الدین دہلی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی رہے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات ان کی مجالس میں لکھتے رہے، جو آپ نے کتابی صورت میں بھی شائع کیے۔ کتاب کا نام **''حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز مجالس وصحبت کی چند یادیں، چند باتیں''** ہے۔ یہ کتاب حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُن بیانات پر مشتمل ہے جو حافظ صاحبؒ نے خود تحریر فرمائے تھے۔ اس کتاب میں تھانہ بھون بھیجی گئی جماعت کی کارگزاری بھی شامل ہے، جسے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھیجا تھا اور اس کی کارگزاری سن کر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: ''مولانا الیاس صاحب نے یاس کو آس سے بدل دیا۔'' اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اشکالات جو اس دعوت کے کام کے بارے میں تھے، وہ بھی دور ہوگئے

تھے۔ حافظ صاحبؒ کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ تبلیغ کا کام حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جی مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتب کردہ اُصولوں پر قائم رہے اور وہ اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور احباب کو اس طرف متوجہ بھی کیا کرتے تھے، اور ان اصولوں کے شائع کرنے کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء سے صحت کے آخری ایام تک دن کا اکثر حصہ فجر سے رات تک تبلیغ یا دین کے کسی کام میں حصہ لیتے۔

حافظ صاحبؒ کی شائع کردہ کتب

آپ کے تعاون سے جو کتابیں چھپی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں: **''مکاتیب مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ''**: اس کتاب میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے اصول، نصائح اور ہدایات ہیں۔ **''کامیابی کی بنیاد ایمان وعمل''**: یہ کتاب مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحبؒ کے پرانے احباب سے خطابات اور ان کی شاعری اور مختصر سوانح مولانا ابوالحسن علی ندویؒ پر مشتمل ہے۔ **''نصائح اور ہدایات''**، **''دعوت اور اس کے انعامات''**: یہ کتاب امیرِ حجاز مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات اور خطوط اور چند ہدایات پر مشتمل ہے۔ **''اُمت بننے کی دعوت''**۔

مدارس اور مساجد کی تعمیرات اور رفاہی خدمات

اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کئی سارے مدارس، مساجد، ہسپتال اور دوسرے خیر کے کاموں میں اہلِ خیر کے تعاون سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ حافظ صاحبؒ نے بہت سارے مدارس اپنی نگرانی میں قائم کیے، کئی لاکھ روپے ان میں ماہانہ خرچ ہوتے تھے۔ کراچی اور لاہور ائیر پورٹ کی مساجد بنوانے میں بھی حافظ صاحبؒ کا تعاون شامل ہے، ان کے علاوہ اور بھی کئی مساجد بنوائیں۔ رائے ونڈ اجتماع گاہ کے قریب ایک مکان دومنزلہ بنوایا جن میں ایک مدرسہ بھی ہے جو پورا سال چلتا ہے اور اجتماع کے میدان میں حافظ صاحبؒ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قیام بھی کرتے تھے۔

حافظ صاحبؒ کے ذریعہ بہت سے غریب خاندانوں کی مدد ہوتی تھی اور عزت ووقار کے ساتھ ان کی زندگی گزرتی تھی، خاص کر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کئی حضرات کی شادی کے لیے کثیر رقم دیا کرتے تھے۔ مستحقین کو مکان بنوا کر بھی دیئے۔ آپ انڈس ہسپتال کے چیئر مین بھی رہے، جس میں مستحقین کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔

ایک خاص عمل یہ تھا کہ کسی کے بارے میں علم ہو جاتا کہ اس نے سود پر پیسہ لیا ہے، تو بے چین ہو جاتے، جب تک وہ قرض ادا نہ کرتا، اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرتے۔

بیعت وخلافت اور عبادات کا ذوق وشوق

پہلے پہل حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ حافظ صاحب کو مندرجہ ذیل بزرگوں سے خلافت حاصل تھی: ۱:- حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ، ۲:- حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، ۳:- حضرت مولانا محمد یونس پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

پیر کے دن ذکر کی مجلس ہوتی تھی، احباب جڑتے تھے، پہلے کتاب پڑھی جاتی، جس سے ایمان افروز واقعات سامنے آتے اور عمل کا شوق بڑھتا، پھر ذکر ہوتا اور پھر دعا، اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ ہوتا اور آخر میں ذکر کی پابندی کی نصیحت کرتے، پھر بیعت بھی فرماتے۔ کچھ حضرات کو خلافت بھی دی تھی۔ جماعت سے امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز کے اہتمام کا شوق رکھتے تھے۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۹ء کے دوران ۳ مرتبہ حج پر نہ جاسکے، ہر سال اہلیہ کے ساتھ حج پر جاتے۔

حافظ صاحبؒ کا ذریعہ معاش بنیادی طور پر دوائیوں کی فیکٹری تھی۔ آپ کی شادی ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ کے علاوہ ۵ بیٹے اور ۳ بیٹیاں شامل ہیں۔

وفات، جنازہ اور تدفین

حافظ صاحبؒ کچھ عرصہ علیل رہے۔ ۲۱ اگست بروز جمعہ عصر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، وضو کے درمیان بے ہوش ہوگئے، پھر دو دن تک ہوش نہ آیا اور ۲۳ اگست بروز اتوار تقریباً رات سوا گیارہ بجے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلوالیا۔ تقریباً ۸۴ سال عمر پائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ اگلے روز ۲۴ اگست بروز پیر صبح دس بجے عالمگیر مسجد میں ادا کی گئی اور تدفین دار العلوم کراچی میں ہوئی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی امداد اللہ یوسف زئی، تمام اساتذہ وانتظامیہ حضرت مولانا محمد عامر فیروز صاحب اور حافظ صاحبؒ کے جملہ اہل وعیال اور پسماندگان سے تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حافظ صاحبؒ کے تمام اعمالِ حسنہ کو قبول فرمائے، آپ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور آپ کے پسماندگان، متوسلین اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عزم و ہمت کی منفرد مثال

حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
اُستاذ ونگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، جامعہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبداللہ عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑی نسبت، بڑے کردار اور گوناگوں صفات کے حامل انسان تھے۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ماحول مجاہدہ و ریاضت، عزم و ہمت، زہد وورع، علم وعمل اور تدریس وتحریک کا ماحول تھا۔ انسانی فطرت پر ماحولیاتی اثرات کی اثر پذیری فطری امر ہے، ہر انسان اپنی فطری لیاقت اور قلبی رجحان کے سہارے ماحولیاتی اثرات میں سے کسی گہرے اثر کی چھاپ کا محور بن جاتا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عادل خان رحمۃ اللہ علیہ فطری استعداد ولیاقت میں اپنے عظیم والد حضرت شیخ المشائخ قدس سرہٗ کا پرتو تھے، اس لیے آپ کی شخصیت میں آپ کے والد کی فکری وعملی زندگی کے تقریباً سب ہی آثار جھلکتے تھے۔ حضرت شیخ المشائخ کی نشو ونما ایک آسودہ متمول گھرانے میں ہوئی تھی، ان کی تعلیمی زندگی اور جوانی کا دور ہر قسم کی فراوانی سے عبارت تھا۔

مگر تدریسی زندگی اور اہتمام کا دور بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کا عنوان تھا، اس دور میں حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی پلے بڑھے، اور انہوں نے ادارتی زندگی اور مجاہدہ و ریاضت کو لازم وملزوم پایا اور ہمیشہ اسی تصور کی تصویر بنے رہے۔

قانونِ فطرت ہے کہ تنگیاں اپنے پیچھے قسما قسم کی آسانیاں اور وسعتیں لے کر آیا کرتی ہیں، اسی قانونِ فطرت کے تحت حضرت ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کے اہتمام اور وفاق کی نظامت وصدارت کے مناصب کے ادوار میں صاحبزادگی کے مواقع ومراحل بھی پائے، دنیا کے مختلف ممالک کے اسفار اور عملی زندگی کے گوناگوں نشیب وفراز بھی دیکھے، آسائشیں بھی دیکھیں اور راحتیں بھی پائیں، مگر مجاہدہ و ریاضت کی اولین چھاپ کے گہرے اثرات آپ کی طبیعت اور رویوں

سے غائب نہیں ہوئے۔ وہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کی بڑی بڑی آسائشوں کو بڑی ہی بے اعتنائی کے ساتھ ترک کر کے مسجد و مدرسہ کی روایتی اور فقید الوسائل زندگی جینے کے لیے اپنے وطن اور اپنے مدرسہ کو ترجیح دیتے رہے۔

امریکہ اور ملائیشیا جیسے ممالک میں اپنی ترجیحات کے مطابق تعلیمی و تدریسی مشاغل ملنا کس کی آرزو نہیں ہوسکتی؟! پھر ایسے مواقع کو خیر آباد کہہ کر وسائل کی تنگی، ماحول کی جکڑن اور فکری و فروعی انتشار کی کوفت میں دینِ اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لیے فیصلہ کرنا غیر معمولی عزم اور ہمت کی علامت ہے۔ بلاشبہ یہ عزم و ہمت آپ کے خون میں شامل سہی، مگر آپ نے اندرونی و بیرونی زندگی میں جن مشکلات کا مقابلہ کیا، اس میں کسبی کمال کا حصہ بھی بے مثال ہی ہے۔ ایسے حالات اگر کسی اور مضبوط سے مضبوط انسان پر آجاتے تو شاید اس کے اعصاب ساتھ چھوڑ جاتے، لیکن اس صاحبِ عزم و استقلال انسان کی ثابت قدمی کا اندازہ لگائیے کہ مشکل حالات میں جو سفر ادھورا رہا، اُسے نئے جذبہ کے ساتھ دوبارہ آغاز سے انجام تک گامزن کرنے کے لیے پابہ رکاب نظر آئے۔ کبھی شکستہ دلی، پست ہمتی اور مایوسی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

غالباً ۲۰۱۰ء کا زمانہ تھا جب آپ امریکہ سے واپس پاکستان آئے تو آپ اپنے اکابر کی طرح قید و بند کی صعوبتوں سے نیا جذبہ سیکھ کر آئے، اور اس جذبے کی عملی تصویر اور تنفیذ کے لیے بڑی تازگی اور چستی کے ساتھ مصروفِ کار دکھائی دیئے۔ اس جذبے کے ایک مظہر کا مشاہدہ راقمِ اثیم کو بھی نصیب رہا۔ آپ نے مدارس کے امتحانی نظام، عملی وحدت، داخلے کے طریقہ کار اور اوقات کار میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے یہ فکری خاکہ سامنے رکھا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ اکثر مدارس ہمارے تین بڑے مدارس' جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ دارالعلوم کراچی اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے تدریسی و انتظامی سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں، اگر یہ تینوں ادارے اپنے داخلے کے نظم، طریقۂ تدریس اور نظامِ امتحان میں وحدت و یکسانیت پیدا کرلیں تو وفاق سے ملحقہ تمام مدارس ایک مالا میں پروئے جاسکتے ہیں۔ اس فکر کی عملی شکل کے لیے طویل عرصہ تک مشاورتی سلسلہ قائم رہا، جس میں ان تینوں اداروں کے نظامتِ تعلیم کے مسئولین باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔ جامعہ سے حضرت الاستاذ مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جایا کرتے تھے، اور آپ کے فائل بردار کے طور پر راقم کو بھی معیت سے نوازا جاتا رہا۔ یہ مجلس اپنے مقررہ نصب العین تک اگرچہ نہ پہنچ سکی، مگر اس مجلس کے دو بڑے فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ ہمارے تینوں اداروں کے امتحانی اور تدریسی

نظم میں ایک دوسرے سے بڑی مفید باتیں سیکھنے کو ملیں۔ دوسرا یہ کہ آپ کی اس مخلصانہ فکر ہی کا شاید نتیجہ ہے کہ ہمارے امتحانی بورڈ وفاق المدارس نے آگے چل کر نظامِ امتحان کی طرح مکمل ادارتی وتدریسی نظم کے لیے گراں قدر کوششیں کیں، جن میں مذکورہ اداروں کے علاوہ مختلف اداروں نے اپنا اپنا حصہ بھی ملایا، اب وہ کاوش وفاق کے ملحقہ مدارس کے لیے انتظامی دستور العمل کے طور پر امید ہے کہ سامنے آجائے گی۔ مدارس کے اس دستور العمل کی فکری تخم ریزی کا سہرہ بلاشبہ حضرت ڈاکٹر عادل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تربتِ ناز ہی کے سر بجنا چاہیے۔

اسی طرح حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ جب سفرِ آخرت کے لیے رختِ سفر باندھ بیٹھے تو حضرت ڈاکٹر عادل خان صاحبؒ کے برادرِ گرامی حضرت مولانا عبیداللہ خالد مدظلہم نے پدرانہ شفقت، سرپرستی، سائبانی اور رہنمائی کے منصب کے لیے بڑے خلوص، درد وکرب کے ساتھ اپنے برادر کبیر حضرت ڈاکٹر عادل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں محبت کی وہ بیڑیاں ڈالیں کہ وہ جامعہ فاروقیہ کے اسیر بن کے رہ گئے اور اپنی فطری وموروثی صلاحیتوں سے جامعہ فاروقیہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی میں اپنے عظیم والد کے مقتدر جانشین اور اپنے برادرگرامی کے دست وبازو ہی نہیں، بلکہ دل ودماغ بھی بن گئے اور حضرت شیخ کے بعد جامعہ فاروقیہ کے تعلیمی معیار کو برقرار رکھنے کی آزمائش میں پورے اُترے، بلکہ جامعہ فاروقیہ فیز۲ کراچی کی تعلیمی وادارتی زبان کے لیے عربی زبان کو ایسا فروغ بخشا جو صرف جامعہ فاروقیہ ہی نہیں، ہمارے تمام مدارس کے لیے ایک مثالی کردار ثابت ہوا۔

جامعہ فاروقیہ فیز۲ کراچی میں تعلیمی وادارتی زبان کے طور پر عربی زبان کے فروغ سے جہاں جامعہ کے تعلیمی نظم میں کمال، انفرادیت اور امتیاز کا ایک باب بندھا، وہاں یہ سلسلہ جامعہ فاروقیہ فیز۲ اور دیگر جامعات میں تعلیمی واستفادی روابط کا بہترین باعث بھی بنا۔ حضرت ڈاکٹر شہید رحمۃ اللہ علیہ اس تعلیمی انفرادیت میں کمال کے رنگ بھرنے کے لیے دیگر اداروں کے باذوق عربی داں اور عربی خواں اساتذہ کو بھی اپنے ہاں بلاکر اپنے اساتذہ کے ساتھ مختلف محاضرات اور مجالس کا اہتمام کرتے رہے، جس سے شرکاء کو ترغیب وتحریک کا فائدہ بھی ہوا اور سیکھنے اور سکھانے کے جذبات ومواقع بھی بیدار ہوئے، جسے اس دور میں عربی زبان کے احیاء کا کارنامہ ہی نہیں، بلکہ ایک تحریک کا نام دینا چاہیے، جسے منزل یاب کرنے کی ذمہ داری جامعہ فاروقیہ کے مولانا عبداللطیف، مولانا انس عادل، مولانا عمیر عادل، جامعہ دارالعلوم کراچی کے مولانا حسین قاسم، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مولانا فخرالاسلام مدنی اور مولانا لطف الرحمٰن اور عربی زبان کے دیگر باذوق احباب کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں

حضرت ڈاکٹر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نیک مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا اعزاز بخشے، آمین۔

جامعہ فاروقیہ فیز۲ کراچی کو دورِ جدید کی مستعار تعبیر میں ’’عربک میڈیم‘‘ بنانے میں جہاں عربی زبان کے رواج واحیاء کی مہم ہے، وہاں علم وعمل کے حسین امتزاج کا بہترین سبق بھی ہے۔ ہمارا نصاب عربی زبان میں ہے، مذہبی زبان عربی ہے، مگر ہمارے عمومی طلبہ واساتذہ عربی حوار اور انشاء پر استعداد کے باوصف قادر نہیں ہوتے۔ اس حجاب کو ختم کرنے میں حضرت ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی فکری وعملی کاوشیں قابلِ تقلید اور لائقِ تحسین ہیں۔ یہ کاوشیں درحقیقت عزم وعمل میں رشتے، فکر وجہد میں رابطے اور قول وعمل میں تعلق کی عکاس ہیں۔ حضرت ڈاکٹر شہید رحمۃ اللہ علیہ جس کام کی فکر ولگن کا دماغی بوجھ اُٹھاتے، اُسے عملی شکل میں اُتارنے اور سدھارنے کے لیے شبانہ روز محنت فرماتے تھے، اور جس کام میں ہاتھ ڈالتے، اسے اس کے مثبت انجام تک پہنچانے میں کسی مشکل اور دشواری کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جسے اس دور میں اکابر کی اولوالعزمی کی نادر مثال کہنا بجا ہے۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ میدانِ عمل سے وابستہ حضرات یا انتظامی ذمہ داریوں کے مسئولین اپنے تدریسی کمال کا سکہ کما حقہ نہیں جما سکتے، مگر حضرت ڈاکٹر شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عملی زندگی کا تنوع، آپ کا تدریسی کمال متاثر یا متزلزل نہیں کرسکا۔ میں نے بالواسطہ حضرت شیخ شامزی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت شیخ المشائخ (مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ) اپنے معاصر اکابر میں جس تدریسی کمال سے ہم کنار تھے، اس کمال کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرما رکھا تھا۔ امریکہ، ملائیشیا کی تدریسی زندگی میں اونچے درجے کی تدریسی ذمہ داریاں اور جامعہ فاروقیہ میں بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کے دروس اپنے والد گرامی کی باکمال تدریس کی وراثت کا مظہر اور بین ثبوت ہے۔

ہمارے خیال میں باکمال تدریس کے تین ارکان ہیں: ۱:- درس کی اچھی تیاری، ۲:- اچھی تعبیر وتفہیم، ۳:- درس کی مداومت ومواظبت۔ اس کمال کے ساتھ تدریس والے علمائے کرام کی ہمارے اداروں میں کوئی کمی نہیں ہے، مگر یہ کمال ان مدرسین کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتا ہے جو تدریس کے ساتھ ساتھ تحریکی ذہن کے حامل اور میدانِ عمل کی کسی سرگرمی سے وابستہ ہوں۔ اس چیلنج کے سامنے عزم واستقلال کی چٹان اور برکت وروحانیت کے بلاخیز طوفان کے طور پر صرف اور صرف شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا نام نامی اسم گرامی لیا جاسکتا ہے، یا پھر ان کے فکری پیروکاروں میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (اکوڑہ خٹک) جیسی ہستیاں بمشکل گنوائی جاسکتی ہیں۔

مگر حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا مختصر مشاہدہ میں نے کیا وہ میدانِ عمل کے

مردِ میدان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ان اکابر کی برکت و روحانیت جیسے اس کمال سے بھی محظوظ تھے۔

حضرت ڈاکٹر محمد عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منفرد خصوصیت یہ تھی کہ آپ روایت وتصلُّب کے کوہِ گراں تھے۔ آپ کو وطن عزیز کے ہر شعبے اور طبقے تک رسائی اور شناسائی میسر رہی، دنیا کے سینکڑوں ممالک میں مختلف مجالس کی رونق اور رعنائی بنتے رہے، آسودہ ممالک کی سکونت وشہریت بھی حاصل رہی، لیکن آپ کی طبیعت، مزاج، وضع قطع اور فکر وتصلُّب پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ یہ آپ کے والد گرامی کے حسنِ تربیت کا ثمرہ ہے، اور آپ کی فکری صلابت وسلامتی کی دلیل بھی ہے۔

حالانکہ انگریزی دورِ غلامی میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے لوگ احساسِ کمتری اور مرعوبیت کے ہاتھوں مجبور ہوکر ایسے مواقع پر فکر وعمل کی موروثی استقامت سے محروم ہوجایا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی مناسبت سے ٹی. وی ایکٹرز نوخیز علماء اور سیلفی ملاؤں کا تذکرہ چل نکلا، تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمانے لگے: میں نے دنیا کے کئی نشیب وفراز دیکھے ہیں، آسائش وآرائش کے بہتیرے مواقع قریب سے دیکھے ہیں، مگر طبیعت وفطرت کی اس تذکیر نے ہمیشہ مجھے بیدار رکھا کہ جو عافیت وراحت اپنے اکابر کے فکری تصلُّب اور عملی استقامت میں اللہ نے رکھی ہے، اس سے بڑی نعمت اور غنیمت کوئی اور چیز نہیں ہے۔ ہمیں ٹی. وی، سیلفی اور تصویر کے دلدادہ مولویوں پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ حضرات کس ندیدہ پن کا شکار ہیں، اور ہم الحمد للہ حتی الوسع اجتناب کی کوشش کرتے ہیں، جہاں اجتناب نہ ہوسکے تو ناگواری اور نکیر کی ایمانی رمق کو زندہ رکھنے کی کوشش بہرحال کرتے ہیں۔

حضرت کے اس موروثی فکری تصلُّب اور عملی استقامت کا مشاہدہ مختلف مجالس میں نصیب ہوا، اور آپ کے ادارے (جامعہ فاروقیہ) کے علماء وطلباء کو اس تصلُّب واستقامت کا بہترین نمونہ پایا۔ حضرت شیخؒ کی طرح آپ کے جنازے اور تعزیت کے اجتماعات میں بھی اس تصلُّب واستقامت کے عملی مظاہر مشاہد ہوئے۔

ایک مرتبہ وفاق المدارس کی مجلسِ عاملہ کے ایک اجلاس میں ایک صاحب نے مجلس کے اعلامیہ کے اظہار کے لیے ویڈیو پیغام کا مشورہ دیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاحب کو اپنے والد گرامی کے لب ولہجے میں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ویڈیو اور میڈیائی عمل وفاق کے اجلاسوں میں نہیں ہوا کرتا، آپ یہ غلط طرح نہ ڈالیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تصلُّب وروایت کی موروثی شناخت پر مستزاد آپ کی شخصیت میں دینی حمیت، اخلاقی جرأت اور عالمانہ بے باکی کا وصف بھی کمال درجہ کا تھا، دینی اجتماعات ہوں یا مشاورتی مجالس یا انتظامی اجلاسات، وہ اپنا موقف بڑی جرأت وحمیت، دلیری، مگر عمدہ سلیقے اور شائستہ

انداز میں پیش کرنے کا منفرد ملکہ رکھتے تھے، جس کی بدولت ایسی تمام مجالس میں آپ اپنے والدگرامی والی مرکزیت واہمیت کا رتبہ پالیا کرتے تھے۔ حق گوئی و بے باکی میں قبائلی پختون جگرے کے مالک تھے، جب کہ سلیقہ مندی اور شائستہ گفتاری میں دہلوی ولکھنوی آداب سے آراستہ تھے۔ ہر طبقے کی ہر مجلس میں طبقاتی لحاظ اور مجلس کے آداب کی جوشناوری آپ کو نصیب تھی، اس میں آپ کے معاصرین میں سے شاید ہی کوئی آپ کا ساجھی یا ثانی ہو۔ مگر یہ اُمت بانجھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ یہ کمالات یا ان کا کچھ حصہ کسی بھی اپنے بندے میں پیدا فرما سکتے ہیں اور ان کا میدانِ عمل اور مجالِ فکر خالی نہیں رہے گا، ان شاء اللہ۔

ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ میدانِ عمل کے کرّ ار وفرّ ار بھی تھے، مگر اس کر وفر کے باجود علم وتحقیق جیسے یکسوئی طلب کاموں میں بھی اپنے علمی وتحقیقی مزاج کے اسلاف کے پیروکار اور اپنے معاصر محقق علماء کے ہم سفر بھی تھے، آپ کی کئی علمی وتحقیقی کاوشیں مختلف زبانوں میں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ بعض بڑے علمی وتحقیقی منصوبے آپ کے زیرِ تحقیق تھے، جن میں فتاویٰ عالمگیری جیسے فقہی ذخیرے کی ترتیبِ نو اور ترتیبِ مفید کے درپے تھے۔ آپ کے بعض تلامذہ اور رفقاء اس کارِ خیر کو آپ کا ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنانے میں دل وجان سے کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ علمی و تحقیقی کاموں کو تکمیل آشنا کرنے میں آپ کے رفقاء کو خاص توفیق نصیب فرمائے۔

گزشتہ دنوں توہین صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے جرائم کے ازالے اور انسداد کے لیے آپ کا کردار حضرت مدنی، حضرت لکھنوی، حضرت مفتی احمد الرحمٰن اور حضرت شیخ سلیم اللہ خان (رحمۃ اللہ علیہم) کی خلافت، نیابت اور مسلکی حمیت کا مظہر تھا۔ اندھے فتنوں کے اس دور میں آپ مسلکِ دیوبند کے حمیت آمیز اعتدالی موقف کے مؤثر ومعتدل ترجمان کے طور پر سامنے آئے، اور آپ نے عزیمت وحمیت اور توسط واعتدال میں مسلک دیوبند کی خوب خوب ترجمانی فرمائی، آپ کی شخصیت کی اس مرکزیت کی اپنے حلقے میں قدردانی سے قبل ہمارے دشمنوں کو اس کی اہمیت کا شاید اندازہ ہو چکا تھا، اس لیے مؤرخہ ۱۰/اکتوبر ۲۰۲۰ء کو آپ کے معصوم اور نازک چہرے کو آہنی وآتشی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، جسے ایک مقامی اخبار نے خلافِ معمول بہت ہی مناسب عنوان دیا: ''ظالم نے عادل کو شہید کردیا''، لیکن ظالموں کو یہ ادراک کبھی ہوا ہی نہ ہوگا کہ ظلم سے عادل مرتا ہے، مگر عدل ہمیشہ کے لیے زندگی آشنا ہو جایا کرتا ہے۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ جس مشن میں شہیدوں کا خون شامل ہو جائے وہ مشن نہ مرتا ہے، نہ دبتا ہے، نہ رکتا ہے، پس ہماری تکلیف عارضی ہے اور تمہاری تسکین وقتی ہے۔

اللّٰہم اغفر لہ وارحمہ وألحقہ بآبائہ الصالحین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مروجہ غیرسودی بینک سے قسطوں پر کار لینا

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں میزان بینک سے کار لینا چاہتا ہوں، جس کی ترتیب یہ ہے کہ ایڈوانس ۶،۵۰،۰۰۰ (چھ لاکھ پچاس ہزار) لیں گے اور بقایا رقم پانچ سال میں ہر ماہ کی قسط کے حساب سے وصول کریں گے۔ عبدالغنی جلالانی، ضلع بدین، سندھ

الجواب حامدًا و مصلیًا

صورتِ مسؤلہ میں بینک سے گاڑی خریدنا (بینک خواہ اسلامی ہو یا کنونشنل' درج ذیل شرعی قباحتوں کی بنا پر ناجائز ہے۔

۱:- پہلی قباحت یہ ہے کہ بینک سے خریدنے والے اور بینک کے درمیان معاہدہ کے تحت دو عقد ہوتے ہیں: ایک بیع (خرید وفروخت) اور دوسرا اجارہ (کرایہ داری) کا عقد ہوتا ہے اور یہ طے پاتا ہے کہ اقساط میں سے اگر کوئی قسط وقتِ مقررہ پر جمع نہیں کرائی گئی تو بینک کی جانب سے مقررہ جرمانہ خریدار ادا کرنے کا پابند ہوگا، جوکہ شرعاً جائز نہیں۔ ''رد المحتار'' میں ہے:

''إذ لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.''

(فتاویٰ شامی، کتاب الحدود، ج:۴،ص:۶۱،ط:سعید)

۲:- دوسری قباحت یہ ہے کہ بینک سے قسطوں پر خریدتے وقت دو عقد بیک وقت ہوتے ہیں: ایک عقد بیع کا ہوتا ہے جس کی بنا پر قسطوں کی شکل میں ادائیگی خریدار پر واجب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ہی اجارہ (کرائے) کا بھی معاہدہ ہوتا ہے، جس کی بنا پر ہر ماہ کرائے کی مد میں بینک خریدار

سے کرایہ بھی وصول کرتا ہے اور یہ دونوں عقد ایک ساتھ ہی کیے جاتے ہیں، جوکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان کی وجہ سے ناجائز ہیں، مسند ابویعلیٰ میں ہے:

’’عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نهیٰ عن بيعتين في بيعة.‘‘

(مسند ابویعلیٰ، ج:۱۰،ص:۵۰۷، ط: دارالمأمون للتراث)

ہدایہ میں ہے:

’’ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا جاز البيع‘‘، لأنهٗ مال متقوم، إما لكونهٖ منتفعًا بهٖ في الحال أو في الثاني. وقد قيل: لايجوز قبل أن يبدو صلاحها، والأول أصح. ’’وعلى المشتري قطعها في الحال‘‘ تفريغًا لملک البائع. وهٰذا إذا اشتراها مطلقا أو بشرط القطع. ’’وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع‘‘ لأنهٗ شرط لايقتضيه العقد وهو شغل ملک الغير أو هو صفقة في صفقة وهو إعارة أو إجارة في بيع.‘‘ (ہدایۃ، کتاب البیوع، ج:۳،ص:۲۷، ط: داراحیاء التراث)

پس مذکورہ بالا شرعی قباحتوں کی بنا پر بینک سے لیزنگ پر گاڑی لینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	حسین شاہد
	الجواب صحیح	تخصصِ فقہِ اسلامی
	شعیب عالم	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نَقَدُ و نَظَر

ادارہ

اشاعتِ خاص بیاد حاجی عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مولانا محمد ذوالکفل صاحب۔ زیرسرپرستی: مہتمم واہل شوریٰ جامعہ دارالتقویٰ، لاہور۔
صفحات: ۶۷۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامعہ دارالتقویٰ، متصل الہلال مسجد، چوبرجی پارک، لاہور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سو اونٹوں میں سے کوئی ایک بار برداری کے قابل ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں میں سے بھی خال خال ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی قابلِ رشک، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آنے والوں کے لیے راہِ ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ اور سبب ہوا کرتا ہے، انہی میں سے ایک شخصیت، عصرِ حاضر کے مجددِ تبلیغ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ اور صحبت یافتہ حضرت الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب نور اللہ مرقدہٗ تھے، جنہوں نے رائیونڈ میں بیٹھ کر پوری دنیا کی تبلیغی جماعتوں کی سرپرستی فرمائی ہے۔

زیرِتبصرہ کتاب میں حاجی صاحب کے حالاتِ زندگی، احوال وآثار اور سیرت وکردار کا ایک عمدہ نمونہ تیار کرکے قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس اشاعتِ خاص کا بیڑا جامعہ دارالتقویٰ کے مہتمم مولانا اویس صاحب کی سرپرستی میں اہلِ شوریٰ کے ممبران نے اُٹھایا ہے اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ تبلیغ میں لگے ہوئے حضرات کے لیے یہ عظیم سوغات ہے، کیونکہ اس کتاب میں ایک ضخیم حصہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات کا بھی ہے، جن سے اس عظیم کام کے لیے ایندھن کا کام لیا جاسکتا ہے۔ کتاب کا کاغذ، ٹائٹل اور جلد بندی عمدہ ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار اور تنظیمِ فکرِ ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

مفتی محمد رضوان صاحب۔ صفحات: ۴۱۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ غفران، راولپنڈی

اس کتاب میں فلسفہ وفکرِ ولی اللّٰہی اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے متعلق اہلِ علم واہلِ افتاء کی آراء، تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کی طرف نسبت کی حقیقت، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی طرف منسوب غیر معتدل وشاذ افکار پر کلام، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی سے متعلق متعدد اکابر اور اہلِ علم واہلِ قلم حضرات کی آراء، تحریرات اور فتاویٰ کو ایک خاص انداز میں جمع کیا گیا ہے۔ فارسی اور عربی عبارات کا حاشیہ میں اردو ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ کچھ نایاب مواد بھی اس میں شامل ہے، بطورِ خاص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر حضرات کے مضامین اس میں شامل ہیں۔ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے احباب کے لیے یہ کتاب عظیم علمی تحفہ ہے۔

عالمِ خواب اور نبوی تعبیرات

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۲۹۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان

حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اہلِ علم میں تعارف کی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ سے قرآن کریم اور علمِ دین کی اشاعت کے لیے مختلف جہات میں کام لیا۔ آپؒ اپنے حصے کا کام کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔ یہ اُن کی نئی تالیف ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب، انبیاء سابقین علیہم السلام کے خواب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خوابہائے مبارکہ اور نبوی تعبیرات اور آخر میں اسلام کی حقانیت اور عظمتِ صحابہؓ کے حیرت انگیز واقعات شامل کیے گئے ہیں۔

نورِ فلک در مسئلہ فدک

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب۔ صفحات: ۲۴۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام، مانچسٹر، انگلینڈ۔ پاکستان میں ملنے کا پتا: صدیقی ٹرسٹ، المنظر اپارٹمنٹ، ۴۵۸، گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی

زیرِ تبصرہ کتاب میں مسئلہ فدک پر جانشینِ رسول خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے جانے والے ناپاک پروپیگنڈے کا عمدگی اور سلیقہ سے مدلل ومبرہن جواب دیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ،

تابعینؒ اور خود ائمہ اہل بیتؓ کے اقوال و احوال کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے۔ نقلی اور عقلی دلائل سے مزین یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک جاندار تحریر ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

مالی تنازعات اور ان کا حل

مفتی منیر احمد صاحب۔ صفحات: ۱۷۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارۃ المنیر، مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن۔ ملنے کا پتا: جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ، متصل جامع مسجد الفلاح، بلاک ایچ، شمالی ناظم آباد، کراچی

حضرت مولانا مفتی منیر احمد صاحب استاذ الحدیث جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ، فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی موفق للخیر ہیں، کئی کتب اور رسائل عوام الناس کی آگاہی اور راہنمائی کے لیے تالیف کر چکے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ''مالی تنازعات اور ان کا حل'' ان کی نئی تالیف ہے۔ اس کتاب میں مالی تنازعات کے دینی اور دنیوی نقصانات، اسباب و وجوہات، فیملی بزنس کے معاملات، میراث، وصیت، شرکت، مضاربت، خرید و فروخت، کرایہ داری، بروکری کے معاملات جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کاروباری حضرات کے لیے یہ کتاب ایک بہترین راہ نما اور عمدہ سوغات ہے۔ ایک بار یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔

رسائلِ مفتی محمودؒ

ترجمہ: قاری فیاض الرحمٰن علوی و مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری۔ صفحات: ۲۰۴۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔ ناشر: مفتی محمود اکیڈمی، کراچی

زیرِ تبصرہ کتاب میں حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہٗ کے فیض قلم سے عربی میں تحریر شدہ رسائل: ۱:-''التسهيل لأحكام الترتيل''، ۲:-''زبدة المقال في رؤية الهلال (مع فیصلہ علماء متعلقہ رؤیت الہلال)''، ۳:-''المتنبئ القادياني من هو؟'' اور ان کا ترجمہ- جو قاری فیاض الرحمٰن علوی اور مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری نے کیا ہے- شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے بھائی فاروق احمد قریشی صاحب کو جو وسائل کی عدم دستیابی کے باوجود مفتی محمود اکیڈمی کو نایاب اور عمدہ کتب کی طباعت سے مالا مال کر رہے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب مفتی محمود اکیڈمی کی نئی اشاعت ہے۔ امید ہے کہ اہلِ ذوق حضرات اس کتاب کی قدر افزائی کریں گے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....